إن من الشعر حكمة (بخاری)

رسالہ

انعام الباری

فی شرح

اشعار البخاری

مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری

مکتبۃ الشیخ ۳/۳۶۷ - بہادر آباد - کراچی

إن من الشعر لحكمة

رسالہ

انعام الباری

فی شرح

اشعار البخاری

جس میں

حسب الحکم حضرت اقدس بقیۃ السلف حجۃ الخلف برکۃ العصر

شیخ الحدیث مولانا الحاج الشاہ محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہٗ

مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری نے

صحیح بخاری میں وارد شدہ اشعار کا ترجمہ اور مفصل شرح لکھی ہے!

ناشر

مکتبۃ الشیخ ۳/۳۶۷۔ بہادر آباد۔ کراچی

فہرست مضامین

انعام الباری

مضامین	صفحہ
تمہید از حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم،	۷
مؤلف کی گزارش	۱۰
آغازِ کتاب	۱۳
شعر ۱	۱۳
مسجدِ قبا کی بناء	〃
شعر ۲ و ۳	۱۵
مسجدِ نبوی کی تعمیر کا مفصل قصہ	〃
شعر ۴	۲۰
ایک مہاجر سیاہ فام عورت کا عجیب واقعہ	〃
شعر ۵	۲۲
ابو طالب کی زبانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف	〃
شعر نمبر ۶ و ۷ و ۸	۲۶
حضرت ابن رواحہؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرنا،	〃
شعر نمبر ۹ و ۱۰ و ۱۱	۳۰
مدینہ منورہ میں بخار آنے پر حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کا شعر پڑھنا	〃
ہجرت سے پہلے مدینہ وبائی شہر تھا،	
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء سے مدینہ کے بخار کا جحفہ منتقل ہوجانا،	۳۴
مدینہ میں رہنے اور مرنے کی فضیلت،	〃
شعر ۱۲	۳۶
مدینہ میں یہودیوں کے قبیلے	〃
ہجرت کے بعد یہودِ مدینہ سے معاہدہ	〃

مضامین	صفحہ
یہودیوں کی بدعہدی	۳۷
قبیلہ بنی نضیر کی جلاوطنی کا عبرتناک واقعہ	″
شعر ۱۳ و ۱۴	۴۲
سورۂ حشر کی آیات مع ترجمہ متعلقہ	″
جلاوطنی بنی نضیر،	۴۳
شعر ۱۵	۴۶
حضرت علیؓ کی اونٹنی کاٹنے کا عجیب واقعہ	″
شراب کا تدریجاً حرام ہونا	۴۹
حرمتِ شراب کے بارے میں سورۂ مائدہ	″
کی آیت،	
شراب ہر گناہ کی جڑ ہے،	۵۱
شراب پینے والے کی آخرت میں سزا	″
شعر ۱۶	۵۱
قبیلہ دوس کا اسلام قبول کرنا	″
حضرت ابوہریرہؓ کا خیبر پہنچ کر بیعتِ	۵۲
اسلام سے مشرف ہونا،	
حضرت ابوہریرہؓ کے گم شدہ غلام کا	۵۲
مل جانا،	
حضرت ابوہریرہؓ کا نام	۵۳
لفظ ابوہریرہؓ کا ترجمہ	″
ابوہریرہ سے مشہور ہونے کی وجہ	۵۴
حضرت ابوہریرہؓ کی روایات کی تعداد	″

مضامین	صفحہ
حضرت ابوہریرہؓ کے شاگردوں کی تعداد	۵۴
حضرت ابوہریرہؓ کے قوی الحافظہ ہونے	۵۵
کا سبب،	
حضرت ابوہریرہؓ کا احادیث یاد کرنے	۵۵
کے لئے درِ اقدسؐ پر پڑ جانا،	
حضرت ابوہریرہؓ کا بھوک برداشت کرنا،	۵۷
حضرت یحییٰ بن ابی کثیرؒ کا ارشاد کہ جسم	۵۸
کی راحت کے ساتھ علم حاصل نہیں ہو سکتا،	
حضرت ابوہریرہؓ کی عمر اور جائے وفات	۵۸
شعر ۱۷	۵۸
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک	″
انگلی میں زخم آنا اور شعر پڑھنا،	
حضرت ابن رواحہؓ کے اشعار مع ترجمہ	۵۹
شعر ۱۸ و ۱۹	۶۰
غزوۂ خندق کے اسباب	″
خندق کھودنے کی وجہ	۶۱
خندق میں ایک سخت پتھر کا نکلنا، جو	″
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ	
کسی سے نہ ٹوٹا،	
جس وقت آپؐ نے پتھر توڑا اس شکم مبارک پر	۶۱
پتھر بندھا ہوا تھا اور تین دن سے کچھ	
نہیں کھایا تھا،	

مضامین	صفحہ
پتھر توڑتے وقت فارس، شام، یمن کے فتح ہونے کی خوش خبری دینا،	٦٢
خندق کھودتے وقت حضرت جابرؓ کے گھر دعوت،	٦٣
تھوڑا سا کھانا ایک ہزار افراد کے لئے کافی ہوگیا، اور بچ بھی رہا،	٦٤
شعر ٢٠،٢١،٢٢	٦٧
جو شخص اسلام قبول کرے اللہ اور اس کے رسول پر اس کا کوئی احسان نہیں،	″
حضرت سعدیؒ کے دو شعر	٦٨
خندق کتنے دن میں تیار ہوئی،	٦٩
مسلمانوں اور کافروں کی تعداد (غزوۂ خندق میں)	″
دشمن کی شکست کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء	٧٠
ہوا کے ذریعہ مدد اور دشمن کا فرار ہوجانا	٧١
سورۂ احزاب کی چند آیات متعلقہ غزوۂ خندق،	″
غزوۂ احزاب کی تکمیل اور بنو قریظہ کا انجام،	٧٤
بنو قریظہ کے مردوں کا قتل عام اور اس سلسلہ کے دو عجیب واقعے،	٧٥
حضرت سعد بن معاذؓ کی دعاء اور شہادت،	٧٦
سرزمین عرب سے کافروں کو نکالنے کی ہدایت،	٧٩
شعر ٢٣	٧٩
جنگ حنین کا مفصل واقعہ	٨٠
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت اور دلیری کا مظاہرہ،	٨١
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم سخاوت کا واقعہ،	٨٣
شعر ٢٤	٨٥
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں پر دشمن کی یلغار پھر حضرت سلمہؓ کی تیر اندازی سے ان کا فرار،	٨٦
حضرت سلمہؓ کی تیر اندازی میں مہارت،	٨٧
حضرت سلمہؓ کا ایک انصاری مسلمان سے دوڑنے میں مقابلہ کرنا،	٨٨
شعر ٢٥،٢٦	٨٩
دس مسلمانوں کے پیچھے دو سو کافروں کا لگ جانا اور آٹھ مسلمانوں کا شہید ہونا،	٩٠
حضرت خبیبؓ کا دردناک واقعہ	٩١
حضرت خبیبؓ کا شہادت سے پہلے نماز پڑھنا	٩٢

مضامین	صفحہ
حضرت خبیبؓ کی جانبازی اور حُبِّ رسولؐ میں سرشار ہونا،	۹۲
شہادت کے وقت حضرت خبیبؓ کا اشعار پڑھنا،	۵۳
شعر ۲۷	۵۷
حضرت لبید بن ربیعہؓ کا تعارف	〃
حضرت لبیدؓ کے ایک مصرع کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پسند فرمایا،	۹۸
شعر ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱	۹۹
بدر میں مشرکوں کی سخت ذلت آمیز شکست	۱۰۰
مشرکوں کی شکست پر ایک شخص کا مرثیہ کہنا	〃
مرثیہ کے اشعار کا مطلب،	〃
غزوۂ بدر کے تفصیلی حالات	۱۰۳
شعر ۳۲	۱۰۷
غیر اللہ کو عالم الغیب کہنے سے منع فرمانا	〃
جاہل پیروں کی بے عملی اور گمراہی	۱۰۸
شعر ۳۳	۱۱۰
غزوۂ بنی المصطلق،	〃
حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت	۱۱۱
تہمت لگانے والوں کو سزا	〃
تہمت میں حضرت حسانؓ کی شرکت	〃
حضرت حسانؓ کا تلافی کرنا،	〃

مضامین	صفحہ
حضرت عائشہؓ کی شان میں قصیدہ	۱۱۱
شعر ۳۴	۱۱۴
حضرت حسانؓ کا تعارف	〃
زبان سے جہاد	۱۱۵
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں حضرت حسانؓ کا قصیدہ	۱۱۶
شعر ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸	۱۱۸
حضرت عامر بن اکوعؓ کے اشعار	۱۱۹
غزوۂ خیبر کا مفصل واقعہ	۱۲۰
حضرت علیؓ کو جھنڈا دیکر روانہ فرمانا،	۱۲۱
حضرت عامرؓ کی شہادت	۱۲۳
حضرت علیؓ کا یہودیوں کے سردار کو قتل کرنا،	〃
خیبر فتح ہونا،	۱۲۴
خیبر کے یہود سے مزارعت اور مساقات کا معاملہ،	۱۲۵
عہدِ فاروقی میں خیبر سے یہود کی جلاوطنی	۱۲۶
شعر ۳۹، ۴۰، ۴۱	۱۲۷
جنگ کی ابتدائی اور آخری مثال،	〃
اکابر تابعین کا فتنہ سے گریز کرنا،	۱۲۹
خاتمہ	۱۳۰

تمہید

از حضرت بقیۃ السلف حجۃ الخلف شیخ الحدیث
مولانا الحاج الشاہ محمد زکریا صاحب کاندھلوی
ثم مہاجر مدنی دامت برکاتہم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ، حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا

امسال ذیقعدہ سنہ ۹۲ھ میں جب یہ سیہ کار نابکار ہندوستان سے کراچی ہوتے ہوئے مدینہ پاک آرہا تھا، اور عزیز گرامی قدر و منزلت مولانا الحاج انعام الحسن صاحب بھی میرے ساتھ تھے، تو جدہ میں ۱۸ ذیقعدہ حجازی مطابق ۳۰ اکتوبر سنہ ۱۹۷۲ء شمسی کی صبح کو جدہ میں مولانا موصوف نے فرمایا کہ پرسوں میں نے ایک خواب دیکھا کہ تو (زکریا) سہارنپور میں اپنے کچے گھر میں ہے اور میں (انعام الحسن) تیرے پاس سہارنپور آیا تو تو نے یوں کہا کہ بخاری شریف کے جملہ اشعار کو ایک جگہ جمع کردو، میں (انعام الحسن) نے اپنی بیماری اور معذوری کا عذر کیا (فقط)

جدہ میں یہ خواب سنکر واقعی جذبہ پیدا ہوا کہ چیز تو بڑی اچھی ہے، مگر یہ ناکارہ مولانا انعام الحسن سے بھی زیادہ معذور رہے، اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے گذشتہ سال سے عزیز محترم مولانا عاشق الٰہی بلند شہری کو جو دارالعلوم کراچی میں مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ کے مدرسہ میں مدرس حدیث اور مفتی تھے، میری علمی مدد کے لئے مدینہ منورہ بھیجدیا، اللہ جل شانہٗ کے تو لَا نُعَدُّ وَلَا نُحْصٰی احسانات اس

اس ناکارہ پر ہمیشہ سے ہیں، گذشتہ سال سے مولانا موصوف میری علمی خواہشات کو پورا کر رہے ہیں، اس لئے میں نے جدہ ہی میں ارادہ کر لیا تھا کہ مدینہ منورہ پہنچتے ہی مولانا موصوف سے اس کی بسم اللہ کراؤں گا، مگر مدینہ پاک پہونچ کر طبیعت زیادہ خراب ہو گئی، اس لئے آج .. ۲۸ر ذیقعدہ ۹۷ھ مطابق ۹ر نومبر ۷۷ء مسجد نبوی علی صاحبہ الف الف تحیہ میں بسم اللہ لکھوا کر مولانا موصوف کے حوالہ کرتا ہوں، کہ اپنی بھی زندگی کا اعتبار نہیں، کم از کم میرے سامنے اس کا سلسلہ شروع ہو جائے، اور اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری حیات میں اس کی تکمیل بھی ہو جائے تو مالک کے احسانات سے بعید بھی نہیں،

اللہ جل شانہ اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول بھی فرمائے اور مولانا محمد عاشق الٰہی کو دارین میں جزائے خیر بھی عطا فرمائے کہ میں تو بالکل بیکار ہو گیا ہوں، اور میرے عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی یہاں مستقل قیام بھی نہیں کر سکتا، لیکن مالک نے میری خواہشات اور جذبات پورا کرنے کے لئے مولانا موصوف کو یہاں بھیجا،

یہاں تک لکھوانے کے بعد یہ تمہید مولانا کے حوالے کر دی گئی، مولانا نے دوسرے مشاغل روک کر پہلے اس کام کا بیڑا اٹھایا، اوّل تو بخاری شریف کی صفحہ بہ صفحہ مکمل ورق گردانی کی، اور بخاری شریف میں وارد شدہ اشعار کی فہرست بنائی، اس کے بعد اشعار کا ترجمہ اور شرح لکھی، اور شروح حدیث دیکھ کر اشعار کا شانِ ورود تحریر کیا، اور یہ بھی لکھا کہ فلاں شعر کس کا ہے، اور کس نے پڑھا اور کیوں پڑھا،

بخاری شریف میں وارد شدہ اشعار کے علاوہ جگہ جگہ دیگر اشعار کا مع ترجمہ تشریح اضافہ کیا، جن کا ذکر کرنا صحیح بخاری میں وارد شدہ اشعار کے حل کرنے کے لئے ضروری تھا، جن کتابوں سے مولانا نے استفادہ کیا ہے اُن کا ذکر مولانا نے اپنے دیباچہ میں کر دیا ہے، افسوس ہے کہ یہاں شروحِ حدیث کا ذخیرہ کم مل سکا، اگر مزید کتب مل جاتیں تو کتاب میں مزید معلومات جمع ہو جاتیں،

میں نے پوری کتاب کا مسودہ سنا اور اپنے ساتھ عزیز مکرم مولوی ملک عبد الحفیظ مکی

اور مولوی حبیب اللہ فارغ مظاہر علوم سہارنپور سلمہا اللہ کو بھی شریک کیا، ہم تینوں نے جس جس جگہ ترجمہ یا تشریح میں کوئی اصلاحی مشورہ دیا تو مولانا موصوف نے تقریباً ہر جگہ اس کو قبول فرمایا، چونکہ ترجمہ مطلب خیز لکھنا مناسب سمجھا گیا، اس لئے بہت سی جگہ لفظی ترجمہ کی رعایت نہیں رہی،

اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ اس تالیف کو قبول فرمائے، اور اپنی مخلوق میں اسے مقبولیتِ عامہ نصیب فرمائے، جناب مولانا انعام الحسن صاحب رئیس المبلغین مقیم بستی حضرت نظام الدین اولیاء دہلی (جن کا خواب اس رسالہ کی تالیف کا سبب بنا) کو صحت و عافیت نصیب فرمائے، اور ان کے درجات بلند فرمائے اور اس کے مؤلف کو اپنے شایانِ شان جزا عطا فرمائے،

زکریا

مدینہ منورہ

۱۰ ربیع الاول ۹۸ھ

مؤلف کی گذارش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الصَّادِقِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ، وَعَلٰی مَنِ اتَّبَعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ہ

امابعد! حسب حکم سیدی ومرشدی زبدۃ السلف وحجۃ الخلف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی ثم مہاجر مدنی دامت برکاتہم کے ارشاد سے احقر نے صحیح بخاری کے اشعار مع ترجمہ وضروری تشریحات جمع کئے ہیں، اور حضرت والا کی تجویز کے مطابق "انعام الباری فی شرح اشعار البخاری" سے اس کو موسوم کیا ہے،

صحیح بخاری میں چونکہ بہت سے اشعار مکرر وارد ہوئے ہیں اس لئے رسالہ کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ جو شعر صحیح بخاری کی ترتیب کے مطابق پہلی جگہ آیا ہے اس کو علیٰ ترتیب الاشعار اسی جگہ رکھا گیا ہے، اور اس کے علاوہ آئندہ جس جس جگہ وہ شعر آیا ہے اُن مواقع کا حوالہ بھی دیدیا گیا ہے، البتہ صرف دو تین جگہ مضمون کی مناسبت کا لحاظ کرتے ہوئے بعض اشعار کی تقدیم کردی گئی ہے

رسالہ لکھتے وقت متونِ حدیث میں صحاح ستہ کے علاوہ جمع الفوائد، مشکوٰۃ المصابیح مستدرک حاکم بھی سامنے رہیں، اور اشعار کی تشریح اور دیگر مضامین کے لئے فتح الباری عمدۃ القاری، ارشاد الساری اور اوجز المسالک اور بذل المجہود سے استفادہ کیا، اور صرف شعر کی تشریح کو مقصد نہیں بنایا بلکہ اشعار مذکورہ سے متعلق جو واقعات اور روایات حدیث اور شروحِ حدیث میں ملیں اُن کو بھی تفصیل کے ساتھ درج کردیا گیا،

اشعار کے حوالوں میں صحیح بخاری کے جو صفحات دیئے گئے ہند و پاک کے مطبوعہ نسخوں کے مطابق ہیں ساتھ ہی ان مواقع کے ابواب کا بھی حوالہ دیدیا ہے تاکہ کوئی صاحب مصری نسخہ میں نکالنا چاہیں تو نکال لیں،

مسجدِ قبا اور مسجدِ نبوی کی تعمیر کا واقعہ، غزوۂ بدر، غزوۂ خندق، غزوۂ خیبر اور قتلِ بنی قریظہ اور اخراج بنی نضیر اور یہود کی بار بار عہد شکنی، اور اسلام اور داعیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُن کی ریشہ دوانی کی تفصیلات واضح کر کے لکھ دی گئی ہیں،

عامۃ المسلمین کو دینی زندگی کی طرف متوجہ کرنے کے لئے جگہ جگہ ایسے مضامین کا اضافہ کر دیا گیا جن سے ایمان و عمل میں پختگی ہوتی ہے،

یہ مجموعہ اشعارِ بخاری کی شرح ہی نہیں ہے، بلکہ چند غزوات کی تفصیلات .... اور عبرت آموز واقعات اور رفعِ شکوک وشبہات اور بہت سی اہم معلومات کا مجموعہ بھی ہے

بخاری شریف میں جو اشعار آئے ہیں اُن میں بعض اشعار کی عبارتیں کچھ مختلف بھی ہیں جن کو حواشی بخاری میں نسخہ کا نشان دے کر لکھا گیا ہے، احقر نے کوشش کی ہے کہ ان مختلف عبارات کی بھی تشریح ہو جائے، اور جس جگہ مشکل لغات تھے وہاں فتح الباری اور ارشاد الساری سے اخذ کر کے حواشی میں لغات کی تشریح کر دی ہے، جو عربی میں ہے، جو اشعار صحیح بخاری میں وارد ہوئے ہیں، اُن کی تشریح کے لئے جس جگہ ضرورت محسوس ہوئی اُن کے سلسلہ کے دوسرے اشعار بھی نقل کر دیئے گئے ہیں، اُن دیگر اشعار کو کہیں صحیح مسلم سے کہیں ارشاد الساری، کہیں فتح الباری سے اور کہیں دیوانِ حسان سے نقل کر دیا ہے، اور اس طرح یہ مجموعہ تقریباً نوسَے اشعار کا ترجمہ اور شرح بن گیا ہے،

جو اشعار صحیح بخاری میں وارد ہوئے اُن میں کہیں کہیں بعض شرّاح نے یہ کلام کیا ہے کہ یہ شعر نہیں ہے، وزنِ عروض کے خلاف ہے، یا اس کے کسی رکن میں وزن کی کمی پڑ رہی ہے۔ اس قسم کے امور کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، کیونکہ یہ بحثیں علم عروض سے متعلق ہیں، ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آتیں، اور نہ اُن کے ذکر سے چنداں فائدہ تھا،

اللہ جلّ شانہٗ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے صحیح بخاری کی ایک خدمت مدینہ منورہ میں

اس ناچیز سے لے لی، اللہ جل شانہٗ اسے قبول فرمائے، اور راحقر کو اور راحقر کے والدین اور تمام اساتذہ و مشائخ کو اپنی رحمت اور مغفرت سے نوازے، اور حضرت الشیخ دامت برکاتہم کا سایہ متعلقین و منتسبین پر تادیر قائم رکھے جن کے حکم سے یہ مجموعہ مرتب ہوا،

انہ رب جواد کریم
وھو ذوالفضل العظیم

محمد عاشق الٰہی بلند شہری عفا اللہ عنہ
المدینۃ المنورۃ
۱۱ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

آغازِ کتاب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

(۱) اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُ الْاٰخِرَةِ ۔ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةِ

ترجمہ: "اے اللہ کوئی خیر نہیں ہے آخرت کی خیر کے علاوہ، پس تو انصار کو اور مہاجرین کو بخش دے" (بخاری، ص ۶۱ ج ۱ باب ہل ینبش قبور مشرکی الجاہلیۃ ویتخذ مکانہا مساجد)

شرح: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں ۵۳ سالہ زندگی گزاری، ۴۰ سال نبوت سے پہلے اور ۱۳ سال نبوت کے بعد، نبوت سے سرفراز ہونے کے چند سال بعد شبِ معراج میں پنجگانہ نماز فرض کی گئی، چونکہ مکہ معظمہ میں مشرکین کا زور تھا، اس لئے وہاں کوئی مسجد نہ بنائی جا سکی، جب آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر شریف کے ۵۳ سال گزار کر مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تو اوّل چند روز[۱] قبیلۂ بنی عمرو بن عوف میں قیام فرمایا، یہ قبیلہ قبا میں رہتا تھا، جو مسجد نبوی سے تین میل دور ہے، (اور اب تو آبادی تقریباً مسلسل ہو گئی ہے) یہیں کے زمانۂ قیام میں مسجدِ قبا تعمیر فرمائی، یہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد ہے، سب سے پہلی نماز باجماعت علی الاعلان اسی مسجد میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھائی، قرآن مجید میں اس کے بارے میں ارشاد ہے:۔

---

[۱] روایات میں اختلاف ہے کہ کتنے دن قبا میں قیام رہا، بعض روایات میں ۱۴ دن اور بعض میں ۲۴ دن آیا ہے، شرح عینی میں ۱۸ دن کا بھی ایک قول نقل کیا ہے، واللہ اعلم ۱۲

لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ٥ (توبہ: ۱۰۸)

ترجمہ:- "البتہ جس مسجد کی بنیاد اوّل دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ اس لائق ہے کہ آپ اُس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے"

قبا میں قیام فرمانے کے بعد آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ شہر میں تشریف لائے اور آپؐ کی اونٹنی اس جگہ بیٹھ گئی جہاں بعد میں مسجدِ نبوی بنائی گئی،

انصارِ مدینہ پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے، اور بہت سے حضرات مکہ معظمہ سے بھی ہجرت کر کے آچکے تھے، اُن میں سے چند حضرات مذکورہ اس جگہ میں نماز ادا کر لیا کرتے تھے، اس جگہ کھجوروں کا کھلیان بھی تھا، اور مشرکین کی قبریں بھی تھیں، اور یہ جگہ سہیل اور سہل نامی دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھی، جو حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کفالت میں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لڑکوں کو بلایا، اور فرمایا کہ یہ زمین ہمارے ہاتھ فروخت کر دو، اور مقصد آپؐ کا یہ تھا کہ اس جگہ مسجد بنائیں، اُن لڑکوں نے عرض کہ ہم اس کی قیمت صرف اللہ تعالیٰ ہی سے لیں گے، آپؐ کی خدمت میں بطور ہبہ بلا قیمت پیش کرتے ہیں، آپؐ نے مفت میں قبول کرنے سے انکار فرما دیا، اور قیمت[1] دے کر اس زمین میں مسجد تعمیر فرمائی، مسجد بنانے میں آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنفسِ نفیس خود حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ساتھ شریک تھے، اور آپؐ کچی اینٹیں خود اٹھا اٹھا کر لیجا رہے تھے، اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے جو اوپر لکھا گیا ہے، حضرات صحابہ بھی آپؐ کے ساتھ اس کو پڑھتے تھے،

---

[1] شارح عینی نے بحوالہ طبقات ابن سعد واقدی سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس دینار میں یہ جگہ خرید فرمائی تھی، اور یہ دینار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیئے تھے۔ ۱۲

صحیح بخاری میں مسجد بنانے کا واقعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے کے سال میں بھی ذکر فرمایا ہے، اور وہاں ایک شعر کا اضافہ ہے اور شعر مذکور کو قدرے الفاظ کے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے، وہاں یوں ہے:۔

هٰذَا الْحِمَالُ لَا حِمَالَ خَيْبَرْ (۲) هٰذَا أَبَرُّ رَبَّنَا وَأَطْهَرْ

اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْأَجْرَ أَجْرُ الْآخِرَهْ (۳) فَارْحَمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَهْ[ل]

ترجمہ شعر ۲:۔ "یہ بوجھ اٹھانا (آخرت کے لئے ہے) یہ خیبر کا بوجھ اٹھانا نہیں ہے، اے ہمارے رب یہ بوجھ اٹھانا بہت بڑی نیکی کا کام ہے اور بہت پاکیزہ عمل ہے"

(صحیح بخاری، ص ۵۵۵ ج ۱، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ)

ترجمہ شعر ۳:۔ "اے اللہ بلاشبہ اجر بس آخرت ہی کا اجر ہے، پس اللہ رحم فرمائے انصار پر اور مہاجرین پر"

شرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت بنی نوع انسان کی آخرت کی کامیابی کے لئے تھی، جس نے آپ کو نبی مانا اور آپ کے فرمان پر چلا آخرت میں کامیاب ہوا، جس نے آپ کی ہدایت سے روگردانی کی آخرت میں ناکام اور برباد اور تباہ ہوا۔ دنیا حقیر چیز ہے، جس کی حیثیت اللہ جل شانہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں، یہ مومن وکافر سب کو مل جاتی ہے، لیکن آخرت کی نعمتیں صرف مؤمن بندوں کو ملیں گی، اور جس نے جس قدر نیک اعمال کئے ہوں گے اسی قدر بلند درجات سے اور وہاں کی بیش بہا نعمتوں سے متمتع ہوگا،

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آخرت کی کامیابی اور وہاں کی نعمتوں کی طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے، اور آخرت کا اجر و ثواب حاصل کرنے کی تلقین فرماتے تھے، اور دینی کوشش اور محنت میں لگنے والے حضرات کی حوصلہ افزائی فرماتے رہتے تھے، اگر دینی کاموں میں لگنے سے بظاہر دنیا کا نقصان محسوس ہونے کا اندیشہ ہوا یا دیکھا کہ حضرات صحابہؓ

ل شارح قسطلانیؒ نے (ص ۲۲۱ ج ۶) میں لکھا ہے کہ یہ شعر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں ۱۲

پر محنت کا بوجھ پڑ رہا ہے جس سے تھکن اور درماندگی ہو رہی ہے، یا فقر وفاقہ کی کیفیت ہے تو آپ فوراً آخرت کے اجور وثمرات کی طرف متوجہ فرماتے تھے، اور خدا کی رضا اور خوشنودی اور ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتوں کے حاصل ہونے کا یقین دلاتے تھے جس سے دینی محبت کے لئے قلوب میں مزید جوش پیدا ہو جاتا تھا، اور حضرات صحابہؓ خوب ولولہ کے ساتھ کام کرتے تھے، آپ جس وقت مسجد نبوی تعمیر فرما رہے تھے اس وقت حضرات صحابہؓ کے مالی حالات کمزور تھے، حضرات مہاجرینؓ اپنے گھر بار اور مال وجائداد چھوڑ کر مدینہ منورہ پہنچے تھے اور حضرات انصارؓ بھی دولتمند نہ تھے، پھر انھوں نے حضرات مہاجرینؓ کو بسایا اور اپنے اموال میں شریک کر لیا تھا، ایسے موقعہ پر مسجد تعمیر ہو رہی تھی، جسے سب مل کر بنا رہے تھے، کچی اینٹیں بنانا اور پھر اُن کو اٹھانا اور تعمیر کی جگہ تک لے جانا اور چننا سب کام خود ہی کر رہے تھے، نوکر چاکر یا باندی غلام موجود نہ تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ شریک عمل تھے، اور اس موقعہ پر آخرت کے اجر و ثواب کی امید بندھانے کے لئے اور تھوڑا بہت جو دنیا کا نقصان نظر آتا تھا اس کی جانب سے بے فکر کرنے کے لئے مندرجہ بالا اشعار اونچی آواز سے پڑھتے جاتے تھے،

اُس زمانہ میں خیبر کی سرسبزی اور شادابی مشہور تھی، وہاں کی کھیتی باڑی اور کھجوروں کی بہتات کا بڑا چرچا تھا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مذکورہ شعر میں دنیا کی بے ثباتی کی طرف توجہ دلائی ہے، اور فرمایا کہ ہم جو مسجد کی تعمیر کے لئے محنت کر رہے ہیں اور گارا مٹی اور اینٹیں ڈھو رہے ہیں یہ ڈھونا اور اٹھانا بہت مبارک ہے، اور بہت بڑی سعادت اور نیکی ہے، اور بہت ہی پاکیزہ عمل ہے، جس کا ثواب آخرت میں ملے گا، جو بے انتہا ہوگا، یہ بوجھ اٹھانا خیبر کی کھیتی اور کھجوروں اور انگوروں کی درآمد کی طرح نہیں ہے، کیونکہ یہ سب چیزیں فانی ہیں، اور آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں بہت حقیر ہیں، اور ہماری یہ مسجد بنانے کی محنت آخرت کی نعمتوں کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے، اسی پر رشک کرنا چاہیئے، دنیاوی نعمتیں رشک کرنے کے قابل نہیں ہیں،

ساتھ ہی اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں یہ بھی عرض کرتے رہے کہ یا اللہ ہم مانتے اور

سمجھتے ہیں کہ اجر کہنے کے قابل آخرت ہی کا اجر ہے، لہٰذا اس بات کا یقین رکھنے والوں یعنی انصار و مہاجرین پر رحم فرما۔

جس جگہ مسجد بنائی گئی یہاں کچھ جگہ ویران پڑی تھی اور کچھ جگہ کھجوروں کے درخت تھے، کچھ مشرکین کی قبریں تھیں (فتح الباری میں بعض روایات سے نقل کیا ہے کچھ کھیتی بھی تھی) کھجوروں کو کاٹ کر اور قبروں کو اکھاڑ کر ساری زمین ہموار کردی گئی، اور کھجور کے درختوں کو قبلہ کی جانب برابر برابر کھڑا کر دیا گیا، اور دروازہ کی چوکھٹ پتھروں سے بنا دی گئی،

(صحیح بخاری باب ہل تنبش قبور مشرکی الجاہلیۃ و یتخذ مکانہا مساجد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی، اس کی چھت کھجوروں کی ٹہنیوں کی اور ستون کھجوروں کی لکڑیوں کے تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے کوئی اضافہ نہیں کیا، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اضافہ کیا، مگر اسی طرز پر تعمیر کی جو عہد نبوتؐ کی تعمیر تھی، یعنی کچی اینٹوں اور کھجور کی ٹہنیوں سے بنائی، اور اس کے ستون جو گھن گئے تھے اُن کی جگہ لکڑیوں کے ستون لگا دیئے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں مسجد میں بہت سا اضافہ کیا اور اس کی دیواریں نقشین پتھر اور چونہ سے بنا دیں اور اس کے ستون بھی نقشین پتھر کے بنا دیئے اور چھت سال کی لکڑی کی بنا دی (صحیح بخاری باب بنیان المسجد)

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبا میں چند روز قیام فرمایا اور وہاں مسجد تعمیر فرما دی، پھر جب مدینہ شہر میں تشریف لائے تو مسجد کی تعمیر کا اہتمام فرمایا اور جلد سے جلد مسجد بنا دی، اس سے معلوم ہوا کہ شریعتِ اسلامیہ میں مسجد کی بہت زیادہ اہمیت ہے، مسجد اہلِ ایمان کے لئے ایک مرکزی جگہ ہے، اس میں پنجوقتہ نمازوں کے لئے مسلمان جمع ہوتے ہیں، ادائیگی نماز کے علاوہ ایک دوسرے کی خیر خبر بھی معلوم ہو جاتی ہے، جس بستی میں مسجد ہوتی ہے پردیسی اُسے دیکھ کر سمجھ لیتا ہے کہ اس بستی میں مسلمان رہتے ہیں، اور مسجد کی وجہ سے اُن میں دینی پختگی ہوتی ہے، جس جگہ مسجد ہوتی ہے

وہاں کے مسلمانوں میں استقامت کے ساتھ جم کر رہنے کے جذبات ہوتے ہیں، مسجد کو چھوڑ کر جانا گوارا نہیں کرتے، اہل کفر آڑے آتے ہیں تو اُن کو شکست دینے کے لئے اپنی کوششیں ختم کر دیتے ہیں،

مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچی مسجد بنائی تھی، پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کچی ہی رہنے دی، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اضافہ تو کیا مگر پکی مسجد انھوں نے بھی نہیں بنائی، حالانکہ اُن کے زمانۂ خلافت میں دولت کی کچھ کمی نہ تھی، شام اور فارس وغیرہ فتح ہو چکے تھے، غنیمت کے اموال آتے تھے جن کے انبار لگ جاتے تھے، اس کے باوجود کچی مسجد پر ہی اکتفا کیا، اصل بات یہ ہے کہ مسجد کا جو مقصود ہے، یعنی نماز باجماعت ادا کرنا اور تلاوت کرنا، اللہ کا ذکر کرنا، دینی تعلیم دینا، وعظ و نصیحت کرنا اور دیگر اُمورِ دینیہ انجام دینا (جو مسجد کی حیثیت کے مناسب اور مطابق ہوں) اس مقصد کے پورا کرنے کی طرف پوری توجہ تھی،

مسجد کچی ہو یا پکی امور متعلقہ مسجد بہرحال اس میں انجام پذیر ہو سکتے ہیں، مسجدِ نبوی کچی تھی، لیکن پورے عالم اسلام کا مرکز بنی ہوئی تھی، مسجد میں مسلمان جمع ہوتے تھے، مشورے کرتے تھے، جہاد کے لئے لشکر روانہ ہوتے تھے، ملک کے ملک اس کچی مسجد کی مرکزیت کے سایہ میں فتح ہوتے تھے، کچی مسجد میں سادگی بھی ہے، نمازی کا دل بھی لگتا ہے، بنانے والوں کو غرور اور فخر کا موقع بھی نہیں ملتا، ہاں اگر پکی مسجد بنا دی جائے تو یہ بھی جائز ہے جس کا ثبوت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل سے ہوتا ہے، البتہ مسجد کو ٹیپ ٹاپ سے مزین کرنا اور ریا، نمود اور فخر و مباہات کے لئے پختہ مسجد بنانا درست نہیں ہے،

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں ابن بطال سے نقل کیا ہے کہ حضرات ابو بکر و عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے، توسیع مسجد کے واقعات سے معلوم ہوا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ تعمیر مسجد میں میانہ روی سے کام لیا جائے اور اس کی تحسین میں

غلو نہ کیا جائے، حضرت عمرؓ نے کثرتِ فتوحات کے باوجود اپنے زمانہ میں مسجد کی عمارت اسی سابق طرز پر رہنے دی، البتہ اس کے ستون بدل دیئے، جن کو گھن لگ گیا تھا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوش نما طریقہ پر مسجد بنادی، لیکن ٹیپ ٹاپ کی حد تک انھوں نے بھی نہیں پہنچائی، پھر بھی بعض صحابہؓ نے ان پر اعتراض کیا تھا، پھر ابن المنیرؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جب لوگوں نے اپنے گھروں کو مضبوط طریقہ پر بنایا، اور زیب وزینت سے آراستہ کیا تو مساجد کو بھی اسی طرح بنانا مناسب ہوا، تاکہ دلوں میں مسجد کی تحقیر نہ آئے،

اس کے بعد حافظ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "اگر مسجد کو زیب وزینت سے محفوظ رکھنے کی وجہ یہ مانی جائے کہ نمازی کا دل نقش ونگار میں نہ بٹے تو ابن المنیر کی بتائی ہوئی علت کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی" اھ

اور علامہ عینی حنفیؒ شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ "ہمارا مذہب یہ ہے کہ مسجد کو منقش اور مزین کرنا مکروہ ہے" اور بعض حنفیہ نے جو یہ لکھا ہے کہ لَا بَاْسَ بِنَقْشِ الْمَسْجِدِ، اس کا مطلب یہ ہے کہ تحسین وتزیین کا ترک کرنا اولیٰ ہے، اور مال وقف سے ہو تو درست ہی نہیں ہے، جو شخص مالِ وقف سے اس مد میں خرچ کرے گا اس پر تاوان آئے گا، اگر مالِ وقف سے نہ ہو تب بھی اس کی کراہت اس لئے ہے کہ اس سے نمازی کا دل بٹتا ہے اور مال بے جا خرچ ہوتا ہے، (ص ۲۰۶ و ۲۰۷ ج ۴، عینی طبا منیریۃ)

خلاصہ یہ ہے کہ مسجد پختہ بنانا اور صاف ستھرا رکھنا اور چیز ہے، اور نقش ونگار سے مزین کرنا دوسری بات ہے، اگر کوئی شخص اپنے ذاتی مال سے مسجد کو مزین کرے، (بشرطیکہ مال حلال ہو) تو مسجد کی چھت اور نمازیوں کے پیچھے والی دیوار کو مزین کر سکتا ہے اور دائیں بائیں کی پوری دیواروں کو نقش ونگار سے محفوظ رکھے، کیونکہ اس سے نمازیوں کا دل بٹتا ہے، اور خشوع میں خلل ہوتا ہے،

قَالَ الشَّامِیُّ فِیْ رَدِّ الْمُحْتَارِ وَلِذَا قَالَ فِی الْفَتَاوٰی الْھِنْدِیَّۃِ وَکَرِہَ بَعْضُ مَشَائِخِنَا النَّقْشَ عَلَی الْمِحْرَابِ وَحَائِطِ الْقِبْلَۃِ لِاَنَّہٗ یَشْغَلُ قَلْبَ

الفقیر اھ ومثلہ یقال فی حائط المیمنۃ والمیسرۃ لانہ یلی الفقیر بعد بعدہ

انتھی رص۲۲۲ ج ۱، قبل باب الوتر والنوافل بنحو ثلث صفحات)

آجکل مساجد کی ظاہری آرائش وزیبائش کی طرف لوگوں کو بہت توجہ ہے، اور مساجد کو دنیاوی باتوں، فضول بحثوں، سیاسی جھگڑوں کا مرکز بنا رکھا ہے، مسجد کی اصل تعمیر جو ذکر اللہ اور تلاوت قرآن اور تعلیم و تعلم اور خشوع والی نماز سے ہوتی ہے، اس سے لوگ یکسر غافل ہیں، واللہ الہادی الی سبیل الرشاد،

وَیَوْمُ الْوِشَاحِ مِنْ تَعَاجِیْبِ رَبِّنَا ﴿۴﴾ اَلَا اِنَّہٗ مِنْ بَلْدَۃِ الْکُفْرِ اَنْجَانِیْ

(بخاری شریف، ص۶۳ و ص۵۴۱ ج ۱)

ترجمہ:۔ "اور ہار والا دن ہمارے رب کی (پیدا کردہ) عجائبات میں سے ہے، مگر اس میں شک نہیں کہ اللہ نے مجھے کفر کے شہر سے نجات دی"

شرح یہ شعر حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب نوم المرأۃ فی المسجد میں اور باب ایام الجاہلیۃ میں ذکر کیا ہے، اور اس کا قصہ حضرت عائشہ رضؓ نے یوں نقل فرمایا ہے کہ عرب کے بعض قبائل کی ایک سیاہ فام لونڈی تھی، اس کو انھوں نے آزاد کر دیا، (لیکن آزادی کے بعد بھی) اُن کے ساتھ ہی رہی، ایک دن ایسا ہوا کہ ان لوگوں کی ایک نو عمر لڑکی نکلی، جس پر چمڑے کے تسموں کا سُرخ ہار تھا، (جس میں موتی پروئے ہوئے تھے)

لہ مصراع دوم کے شروع میں جو "الا انہ" ہے اس کے بارے میں فتح الباری میں لکھا ہے کہ بتخفیف اللام وکسر الہمزۃ اور عمدۃ القاری میں یہ ہے کہ بتخفیف اللام للضرورۃ اور ارشاد الساری میں صرف تخفیف اللام لکھا ہے، ان حضرات کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ یہ اِلّا یہاں حرف استثناء ہے مگر ضرورت شعری کی وجہ سے لام کو مخفف کر دیا ہے تاکہ فعولن مفاعیلن کے وزن پر ہو جائے۔ ہم نے حرف استثناء کا ترجمہ کر دیا ہے، محشی بخاری حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اِلا کے نیچے بین السطور لفظ للتنبیہ تحریر فرمایا ہے یعنی حضرت موصوف نے اس کو اَلا حرف تنبیہ قرار دیا ہے اور اس طرح سے یہ کچھ کی ضرورت نہیں رہتی کہ مشدد کو ضرورت شعری کی وجہ سے مخفف کیا گیا، واللہ اعلم،

اُس لڑکی نے وہ ہار کسی جگہ رکھ دیا، یا (بے خبری میں) اس سے کہیں گر گیا[1]، وہاں سے ایک چیل گذری، جس نے (سُرخ سُرخ دیکھ کر) اس کو گوشت سمجھ کر اُچک لیا، لوگوں نے تلاش کیا، مگر نہیں ملا، لہٰذا وہ مذکورہ باندی پر (ہار کی چوری کی) تہمت لگانے لگے،

اس سلسلہ میں انھوں نے اسے تکلیف دی، اور اس کی تلاشی لی، (اور تلاشی لینے میں بھی حد کردی) یہاں تک کہ اس کی شرم کی جگہ بھی دیکھا، اس باندی کا بیان ہے کہ میں[2] نے اللہ سے دعاء کی (کہ مجھے اس تہمت سے بری کردے) میں اسی حال میں پریشان وحیران کھڑی تھی کہ اچانک وہ چیل (اوپر سے) گذری، اور اس نے وہ ہار ڈال دیا جو اُن لوگوں کے درمیان گر پڑا، جسے انھوں نے اٹھالیا، جیسے ہی وہ ہار گرا میں جھٹ پٹ بولی کہ لو یہ ہے وہ جس کی تم مجھے تہمت لگا رہے ہو، حالانکہ میں اس سے بَری ہوں، (اس واقعہ کو یاد کر کے وہ باندی مذکورہ بالا شعر پڑھا کرتی تھی)۔

حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ اس قصہ کے بعد وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ آگئی، اور مسلمان ہوگئی، اس کے لئے مسجد میں ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنادی گئی تھی، وہ اسی میں رہتی تھی، میرے پاس اکثر آیا کرتی تھی، اور باتیں کرتی رہتی تھی، اور جب کبھی آکر بیٹھتی تو یہ ہار والا شعر ضرور پڑھتی تھی، میں نے اس سے ایک دن کہا کہ کیا قصہ ہے؟ جب کبھی تو میرے پاس آکر بیٹھتی ہے یہ شعر ضرور پڑھتی ہے، اس پر اس نے سارا قصہ سنایا[3]

شعر کا مطلب یہ ہے کہ "ہار والے دن مجھے پریشانی تو بہت ہوئی، مگر میں اس کے سبب دل برداشتہ ہو کر وہاں کا ماحول چھوڑ کر مدینہ منورہ آئی اور اسلام قبول کرنے کی توفیق ہوئی، جس سے بڑھکر کوئی سعادت نہیں"

---

[1] بعض روایات میں ہے کہ یہ لڑکی نئی دلھن تھی، غسل خانہ میں جاتے وقت ہار کو کہیں رکھ گئی تھی ۱۲ فتح الباری

[2] دعاء کرنے کا ذکر فتح الباری میں کیا ہے ۱۲

[3] صحیح بخاری ۱۲

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اس سے چند باتیں معلوم ہوئیں:
اوّل یہ کہ جس کسی مسلمان کا گھر درنہ ہو مسجد میں اس کا رات کو یا دن کو سونا جائز ہے، مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس ضرورت کے لئے سایہ کے لئے خیمہ وغیرہ بھی لگایا جاسکتا ہے، **دوم** یہ معلوم ہوا کہ کسی جگہ اگر زندگی میں دشواری اور پریشانی ہو تو اس کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جائے، ممکن ہے کہ دوسری جگہ اس کے لئے بہتر ہو جیسا کہ اس عورت کا واقعہ ہے کہ وطن چھوڑ کر مدینہ آئی تو اسلام سے مشرف ہونا نصیب ہو گیا اور صحابی ہونے کی دولت سے مالا مال ہو گئی، **سوم** ہجرت کی فضیلت معلوم ہوئی، **چہارم** یہ معلوم ہوا کہ مظلوم کی دعا قبول ہوتی ہے، اگرچہ کافر ہی ہو کیونکہ اس عورت نے جو دعا کی تھی کہ یا اللہ مجھے ہار کی تہمت سے بری فرما دے اس وقت مسلمان نہ تھی، لِاَنَّ فِي السِّيَاقِ اَنَّ اِسْلَامَهَا كَانَ بَعْدَ قُدُوْمِهَا الْمَدِيْنَةَ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ۵ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

ترجمہ: "اور سفید (چمکدار) چہرہ والے کو جس کے چہرہ کی برکت سے بارش طلب کی جاتی ہے، جو یتیموں کا ٹھکانا ہے، اور جس سے بیوہ عورتوں کی حفاظت وابستہ ہے" (صحیح بخاری، ص ۱۳۷ ج ۱، باب سؤال الناس الامام الاستسقاء)

شرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں آپ کے چچا ابو طالب نے ایک قصیدہ کہا تھا جس کے شعروں کی تعداد اسّی سے زائد تھی، شارح عینی اور شارح قسطلانی نے اس قصیدہ کے اشعار کی تعداد ایک سو بیس ۱۲۰ بتائی ہے، سیرت کی کتابوں میں پورا قصیدہ ملتا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں سیرت ابن اسحٰق سے بارہ ۱۲ اشعار نقل کئے ہیں، مذکورہ بالا شعر سے پہلے کا ایک شعر اور بعد کا ایک شعر ملا کر تینوں کو ایک جگہ لکھا ہے، اور تینوں کا مجموعہ اس طرح سے ہے ؎

وَمَا تَرْكُ قَوْمٍ لَّا اَبَا لَكَ سَيِّدًا ✤ يَحُوْطُ الذِّمَارَ بَيْنَ بَكْرِ بْنِ وَائِلِ
وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ✤ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ
يَلُوْذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ ✤ فَهُمْ عِنْدَهٗ فِيْ نِعْمَةٍ وَّفَوَاضِلِ

اَبْیَضُ، ضؔ کے زبر کے ساتھ ہے اور منصوب ہی جو سَیِّدًا پر عطف ہے، سَیِّدًا اس سے پہلے شعر میں ہے، جو ترک کے مصدر کا مفعول ہی، نیز ثِمَال اور عِصْمَۃ بھی اسی وجہ سے منصوب ہیں، علامہ قسطلانی ؒ نے یہ بھی احتمال ظاہر کیا ہے کہ اَبْیَضُ مرفوع ہو اور مبتداء محذوف کی خبر ہو۔ یعنی وہ شخص سفید چہرے والے ہیں، جن کے چہرے کی برکت سے بارش طلب کی جاتی ہے، اس صورت میں سَیِّدًا پر معطوف ماننے کی ضرورت نہ رہے گی،

تینوں شعروں کا ترجمہ جاننے سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشرکینِ مکہ کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی دعوت دی اور اپنے بارے میں یہ بتایا کہ میں اللہ کا نبی ہوں تو اہلِ مکہ جو آپؐ کے اوصافِ حمیدہ کے بہت زیادہ قائل تھے، اور آپؐ کے بلند اخلاق کے مدّاح تھے توحید و رسالت والی بات سن کر دشمن ہو گئے، اور جیسے جیسے آپؐ کی تعلیم و تبلیغ کی محنت بڑھتی گئی اور ارشاد و اصلاح کی دعوت پھیلتی گئی، اسی قدر مشرکینِ مکہ اور زیادہ دشمن ہوتے چلے گئے، آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت اور پشت پناہی سب سے زیادہ آپؐ کے چچا ابوطالب کرتے تھے،

ایک مرتبہ قریشِ مکہ نے ابوطالب سے کہا کہ اپنے بھتیجے کو سمجھا دو کہ وہ ہمارے معبودوں کو بُرا نہ کہے، اگر تم سمجھانے سے عاجز ہو تو ان کو ہمارے حوالہ کر دو، تاکہ اُن کو قتل کر دیں ابوطالب اور دیگر بنی ہاشم گو مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر اس پر بھی تیار نہ تھے کہ آپکو مشرکین کے حوالہ کر دیں، جب بنی ہاشم آپؐ کو حوالہ کرنے سے منکر ہو گئے تو قریشِ مکہ نے بنی ہاشم کا اور سارے مسلمانوں کا بائیکاٹ کر دیا جس کا قصہ مشہور ہے، جس وقت مشرکین نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں باہمی اتحاد کر لیا تھا اور جو لوگ مسلمان ہونا چاہتے تھے ان کو آپؐ سے نفرت دلاتے تھے اسی وقت ابوطالب نے یہ قصیدہ کہا جس کا اوپر ذکر ہوا[1]، اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے ؎

---

[1] علامہ عینی نے اس قصیدہ کا پہلا شعر یہ بتایا ہے ؎

خلیلی ما اذنی لاول عاذل   بصفواء فی حق ولا عند باطل

[2] قالہا لما تمالأ قریش علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونفروا عنہ من یرید الاسلام ۱۲ فتح الباری و ارشاد الساری

وَلَمَّا رَأَيْتُ الْقَوْمَ لَا وُدَّ فِيهِم ؛ وَقَدْ قَطَعُوا كُلَّ الْعُرَىٰ وَالْوَسَائِلِ

ترجمہ:۔" اور جب میں نے دیکھا قوم کو اس حال میں کہ اُن میں کوئی محبت نہیں ہے، انھوں نے ہر طرح کے تعلقات توڑ دیئے"

وَقَدْ جَاهَرُونَا بِالْعَدَاوَةِ وَالْأَذَىٰ ؛ وَقَدْ طَاوَعُوا أَمْرَ الْعَدُوِّ الْمُزَايِلِ

ترجمہ:۔" اور اُن لوگوں نے ہمارے ساتھ کھلم کھلا دشمنی اور ایذا رسانی کا معاملہ کیا، اور جدائی کرنے والے دشمن کی بات مانی"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے سب سے آخر میں وہ تین شعر لکھے ہیں جو اوپر ایک جا اکٹھے گذر چکے ہیں، ان تینوں کا ترجمہ یہ ہے:۔

وَمَا تَرْكُ قَوْمٍ لَا أَبَا لَكَ سَيِّدًا ؛ يَحُوطُ الَّذِي مَارَ بَيْنَ بَكْرِ بْنِ وَائِلِ[1]

ترجمہ:۔" اور (تعجب ہے) کیسا چھوڑنا ہے قوم کا ایسے سردار کو جو قبیلہ بکر بن وائل کے درمیان ذمہ داری کی حفاظت کرتا ہے"

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ؛ ثِمَالَ الْيَتَامَىٰ عِصْمَةً لِلْأَرَامِلِ

ترجمہ:۔" اور (تعجب ہے) کیسا چھوڑنا ہے قوم کا ایسے سفید (چمکدار) چہرے والے شخص کو جس کے چہرہ کی برکت سے بارش طلب کی جاتی ہے، جو یتیموں کا ٹھکانہ ہے اور جس سے بیوہ عورتوں کی حفاظت وابستہ ہے"

يَلُوذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ ؛ فَهُمْ عِنْدَهُ فِي نِعْمَةٍ وَفَوَاضِلِ

ترجمہ:۔" بنی ہاشم کے ہلاک ہونے والے اس سردار کی پناہ لیتے ہیں، پس یہ لوگ اُن کے پاس نعمتوں اور عمدہ حالتوں میں ہیں"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ علامہ سہیلیؒ نے سوال اٹھایا ہے کہ ابوطالب کو کیسے علم ہوا کہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی برکت سے سیرابی ہوتی ہے، حالانکہ ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا، کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطالب کی زندگی میں بارش کی دعا مانگی ہو، استسقاء یعنی طلب بارانِ

---

[1] شارح عینیؒ نے اس مصراع کو اس طرح نقل کیا ہے " یحوط الذمار غیر ذرب موا کل "۱۲

کا واقعہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں پیش آیا، پھر علامہ سہیلیؒ نے خود ہی جواب دیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا نے آپ کو گود میں لے کر قریش کے لئے بارش کی دعاء کی تھی اور دعاء قبول ہوئی تھی،

اور علامہ قسطلانیؒ نے ابن عساکرؒ سے نقل کیا ہے کہ جلہمہ بن عرفطہ نے بیان کیا کہ میں مکہ آیا، اس وقت وہاں کے لوگ قحط میں مبتلا تھے، انھوں نے ابو طالب سے کہا کہ ہمارا علاقہ قحط زدہ ہو چکا ہے، اور بال بچے خشک سالی سے دوچار ہیں، لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کریں، ابو طالب چند لڑکوں کے درمیان ایک لڑکے کو ساتھ لئے کعبہ شریف کے پاس آئے، یہ لڑکا ایسا چمک رہا تھا جیسے اندھیروں میں آفتاب ہو، ابو طالب نے اس لڑکے کو گود میں لے لیا اور کعبہ شریف سے پشت لگا کر کھڑے ہو گئے، اور اس لڑکے نے کعبہ کی پناہ لی (یعنی کعبہ سے چمٹ کر رب کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے) اس وقت آسمان میں بادل کا ذرا سا ٹکڑا بھی نہ تھا، پس اسی وقت اِدھر سے اور اُدھر سے بادل آیا اور خوب برسا، جس سے علاقہ جل تھل ہو گیا، اور سرسبزی و شادابی ظاہر ہو گئی، ابو طالب نے اسی واقعہ کے پیش نظر یہ شعر کہا، کیونکہ وہ لڑکا جسے ابو طالب نے گود میں لے کر دعاء کی تھی یہی محبوب رب العالمین تھا جسے دو جہاں کی سرداری حاصل ہے، صلی اللہ علیہ وسلم،

فتح الباری اور ارشاد الساری میں بیہقی سے نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا ہو کہ ایک اعرابی (یعنی دیہات کا رہنے والا شخص) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ ہم لوگ قحط سالی میں مبتلا ہیں، یہ سنکر آپ منبر پر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ سے بارش کی دعاء کی، اس موقعہ پر بارش ہونے پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج اگر ابو طالب ہوتے تو اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں کون ہے جو ابو طالب کا شعر سنائے؟ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ..... نے عرض کیا کہ گویا آپ کا مقصد یہ ہے کہ یہ شعر پڑھا جائے ؎

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالَ الْيَتَامٰى عِصْمَةً لِّلْاَرَامِلِ

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ ممکن ہے ابو طالب نے آپ کی یہ مدح اس لئے کی ہو کہ انھوں نے جو آپ کے حالات اور کمالات دیکھے ان کی وجہ سے آپ کے بارے میں یہ پختہ یقین رکھتے تھے کہ آپ جب کبھی اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کریں گے ضرور قبول ہوگی اھ

نبوت کے آثار تو پہلے ہی سے ظاہر تھے، جو سفر شام وغیرہ میں ابوطالب نے دیکھے تھے، پھر ظہور نبوت کے بعد انھوں نے بہت سے معجزات دیکھے تھے، جس سے وہ آپ کے نبی ہونے کا یقین رکھتے تھے، البتہ ایمان قبول نہیں کیا، وَلَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰہَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ،

وَفِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ یَتْلُوْ کِتَابَهٗ ⑥ اِذَا انْشَقَّ مَعْرُوْفٌ مِّنَ الْفَجْرِ سَاطِعُ

اَرَانَا الْهُدٰی بَعْدَ الْعَمٰی فَقُلُوْبُنَا ⑦ بِهٖ مُوْقِنَاتٌ اَنَّ مَا قَالَ وَاقِعُ

یَبِیْتُ یُجَافِیْ جَنْبَهٗ عَنْ فِرَاشِهٖ ⑧ اِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِکِیْنَ الْمَضَاجِعُ

ترجمہ (۶) "اور ہمارے اندر اللہ کا رسول ہے، جو اس کی کتاب کی تلاوت کرتا ہے جس وقت مشہور چیز یعنی بلند ہونے والی صبح کی پو پھٹتی ہے"

(۷) "اس رسول نے ہم کو ہدایت دکھلائی اندھے پن کے بعد پس ہمارے دل یہ یقین رکھتے ہیں کہ جو بھی کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے ضرور واقع ہوگا"

(۸) "اللہ کا رسول اس حال میں رات گذارتا ہے کہ اپنے پہلو کو اپنے بستر سے جدا رکھتا ہے جبکہ مشرکین کے بوجھل جسم بستروں پر پڑے ہوتے ہیں" (صحیح بخاری، ص ۱۵۵ ج ۱، باب فضل من تعار من اللیل، و ص ۹۰۹ ج ۲ باب ہجاء المشرکین)

شرح یہ اشعار حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں، جو شعر گوئی میں ممتاز مقام رکھتے تھے، انھوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور تعریف میں یہ اشعار کہے تھے، پہلے شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کا ذکر کیا کر اور فرمایا ہے کہ آپ سحر کے وقت جب صبح ہوتی ہے قرآن مجید تلاوت فرماتے ہیں، دوسرے شعر میں دو باتوں کا ذکر کیا ہے، اول یہ کہ ہم لوگ ہدایت کے اعتبار سے بالکل اندھے تھے اللہ تعالیٰ کو نہیں جانتے تھے، اور بتوں کو خدائی کا درجہ دے رکھا تھا، کفر و شرک کی

تاریکیوں کے علاوہ بداعمالیوں میں بھی مبتلا تھے، آپ کو اللہ پاک نے مبعوث فرمایا، آپ کی تعلیم و تبلیغ اور اصلاح وارشاد سے گمراہوں کو ہدایت مل گئی، تاریکیوں سے نکل کر لوگ روشنی میں آگئے، دلوں میں حق اتر گیا، اور آنکھوں کو نور مل گیا، جہالت اور اندھاپن دور ہوگیا، جو گمراہ تھے وہ حق کے ہادی اور داعی بن گئے، ع

فصلی اللہ علی نور کزوشد نورہا پیدا

دوسری بات یہ ذکر فرمائی کہ ہمارے دلوں کو اس کا یقین ہے کہ جو بھی کچھ آپ نے خبر دی ہے یا آئندہ خبریں دیں گے کہ دنیا و آخرت میں ایسا ایسا ہوگا، ہم کو اس کا پورا اور مکمل پختہ یقین ہے کہ جو کچھ فرمایا ہے اس کے مطابق ضرور ہوگا، زمین و آسمان ٹل جائیں مگر آپ کی بات جھوٹی نہیں ہوسکتی، ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب آپ کو نبی مان لیا گیا تو آپ کی ہر بات کو صحیح اور یقینی ماننا لازم ہوگیا، اس اجمالی ایمان و یقین کے ساتھ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے برابر ایسے واقعات پیش آتے رہتے تھے جن میں آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کی تصدیق ہوتی رہتی تھی، اس لئے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے تعریف میں یہ فرمایا کہ ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں ضرور واقع ہوگا،

تیسرے شعر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شب بیداری اور رات کی عبادت گذاری کا تذکرہ فرمایا کہ آپ اس حالت میں رات گذارتے ہیں کہ پہلوئے مبارک بستر سے علٰحدہ رہتا ہے، اور اپنے خالق و مالک کے حضور میں کھڑے ہوکر نماز ادا فرماتے رہتے ہیں، ساتھ ہی مشرکین کا ذکر کیا کہ جس وقت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نمازیں پڑھتے ہیں، اس وقت مشرکین پڑے سوتے ہیں، اور ان کے جسم بھاری اور بوجھل ہوکر بستر سے چمٹے رہتے ہیں،

علامہ قسطلانیؒ نے لکھا ہے کہ پہلے شعر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم اور تیسرے شعر میں آپ کے عمل کا ذکر ہے، اور دوسرے شعر میں یہ بتایا ہے کہ آپ کے ذریعہ اور لوگ باکمال ہوتے ہیں، پس آپ کی ذات گرامی ہر طرح سے کامل اور مکمل ہے[1]، حضور اقدس

---

[1] شرح قسطلانی ص ۳۲۰ ج ۲ وذکر مثلہ الحافظ ایضاً فی الفتح فی باب ہجاء المشرکین وعزاہ الی الکرمانی ۱۲

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عشاء پڑھ کر سو لیتے اُٹھنے کے بعد لمبی لمبی رکعتوں والی نماز تہجد پڑھا کرتے تھے، طویل قیام کی وجہ سے آپؐ کے مبارک قدموں پر ورم آگیا تھا کسی نے عرض کیا کہ آپؐ عبادت میں اس قدر تکلیف اٹھاتے ہیں؟ حالانکہ آپؐ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں، آپؐ نے فرمایا کیا میں عبادت میں مشقت چھوڑ دوں اور اللہ تعالےٰ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں، (بخاری و مسلم)

حضرت عوفؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھا حضورؐ نے مسواک فرمائی، وضو فرمایا، اور نماز کی نیت باندھ لی، میں بھی حضورؐ کے ساتھ نماز میں شریک ہوگیا، حضورؐ نے سورۃ البقرہ ایک رکعت میں پڑھی اور جو آیت رحمت کی آتی تو حضورؐ دیر تک رحمت کی دعاء مانگتے رہتے، اور جو آیت عذاب کی آتی اُس جگہ دیر تک عذاب سے پناہ مانگتے رہتے، سورت کے ختم پر رکوع کیا اور اتنا ہی لمبا رکوع کیا جتنی دیر میں سورۃ بقرہ پڑھی جاتی ہے، اور رکوع میں سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْعَظَمَةِ پڑھتے جاتے تھے، پھر اتنا ہی لمبا سجدہ کیا، پھر دوسری رکعت میں اسی طرح سورۃ آل عمران پڑھی، اور اسی طرح ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورت پڑھتے رہے، اس طرح چار رکعتوں میں سوا چھ پارے بنتے ہیں، یہ کتنی لمبی نماز ہوئی ہوگی، جس میں ہر آیت رحمت پر رحمت کی دعاء کی اور آیتِ عذاب پر دیر تک عذاب سے پناہ مانگی، اور پھر اتنا ہی لمبا رکوع اور سجدہ تھا،

حضرت حذیفہؓ بھی اپنا ایک قصہ حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھنے کا اسی طرح سے نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چار رکعتوں میں چار سورتیں سورۃ بقرہ سے لے کر سورۃ مائدہ کے ختم تک پڑھیں، بعض مرتبہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک رکعت میں سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران اور سورۃ مائدہ پڑھیں، جن کے تقریباً پانچ پارے ہوتے ہیں، درحقیقت آپؐ کو نماز میں سکون ملتا تھا، اسی لئے تو نماز کو آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا،

بات یہ ہے کہ جس کو جس قدر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اسی قدر عبادت میں ترقی کرتا ہے، اور [illegible] بھی عبادت کرے اس کو حقیر ہی سمجھتا ہے، جتنی بھی زیادہ عبادت

کرے اور جیسی اچھی سے اچھی عبادت کرے اس کو یہی نظر آتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ عالی کے لائق عمل نہیں ہو سکا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے بڑے عارف تھے اس لئے سب سے بڑے عابد بھی تھے،

جاہل صوفی جن کو نہ شریعت سے تعلق ہے نہ طریقت سے وہ جو یہ کہتے ہیں کہ معرفت حاصل ہونے کے بعد عبادت کی ضرورت نہیں رہتی، یہ اُن کی زندیقوں والی بات ہے' مشرکین اور کفار جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے آئے تھے وہ بھی اپنے کو حق پر سمجھتے تھے، اور اللہ کے محبوب بندے ہونے کے مدعی تھے، مگر جنگ والی راتوں میں پاؤں پسار کے سوتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کا لاڈلا نبی صلی اللہ علیہ وسلم راتوں رات نماز پڑھتا اور دُعا کرتا تھا، اسی کو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپؐ راتوں رات بستر سے پہلوئے مبارک علیحدہ رکھتے ہیں اور نماز میں کھڑے کھڑے رات گذارتے ہیں، جبکہ مشرکین بستروں پر بوجھل ہوئے پڑے رہتے ہیں، نرم بستر کو چھوڑ کر اور نیند قربان کر کے اُٹھنا اور بارگاہِ خداوندی میں حاضری دینا درحقیقت بہت بڑی بات ہے، سورۂ ذاریات میں متقی لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝	"وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور آخر شب میں استغفار کرتے تھے۔"

سورۂ الٓمّٓ سجدہ میں ارشاد ہے،

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝	"ان کے پہلو خوابگاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید اور خوف سے پکارتے ہیں اور جو ہم نے انکو رزق دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں"

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں کچھ بالاخانے ہیں، (جو ایسے شفاف ہیں کہ) ان کا ظاہری

حصہ اندر سے اور اندر والی حصہ باہر سے نظر آتا ہے، یہ بالاخانے اللہ جل شانہ نے ان لوگوں کے لئے تیار فرمائے ہیں جو نرمی سے بات کرتے ہیں، اور کھانا کھلاتے ہیں اور رات کو نماز پڑھتے ہیں جبکہ لوگ سوتے ہوتے ہیں، اور پے درپے یعنی کثرت سے روزے رکھتے ہیں" (مشکوٰۃ المصابیح عن شعب الایمان)

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ ⑨ وَالْمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

ترجمہ: "ہر آدمی کو اس کے گھر بار میں رہتے ہوئے صبح کے وقت خیریت سے زندہ رہنے کی دعا دی جاتی ہے، حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے"

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً ⑩ بِوَادٍ وَحَوْلِي إِذْخِرٌ وَجَلِيلُ

وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ ⑪ وَهَلْ يَبْدُوَنْ لِي شَامَةٌ وَطَفِيلُ

ترجمہ: "کاش مجھے پتہ چل جاتا کیا کوئی رات ایسی وادی میں گذار دوں گا کہ میرے ارد گرد اذخر اور جلیل نامی گھاس ہوگی،

اور کیا میں کسی دن مجنہ مقام کے پانیوں پر وارد ہوں گا اور کیا میرے لئے شامہ اور طفیل پہاڑ ظاہر ہوں گے؟ (بخاری، ص ۲۵۳ ج ۱ باب کراہیۃ ان تعری المدینۃ (ص ۵۵۸ ج ۱ باب مقدم النبی المدینۃ (ص ۸۴۷ ج ۲ آخر کتاب المرضیٰ)

شرح شعر ۹، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا تھا اور اس کے بعد کے دو شعر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھے تھے، تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ مدینہ منورہ پہلے وبائی شہر تھا، اس میں بخار کثرت سے آتا تھا، جو بہت سخت اور گردن توڑ ہوتا تھا، اور اکثر افراد اس میں مبتلا رہتے تھے، حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے، تو وہاں کی وبائی آب و ہوا سے متاثر ہوئے اور بخار میں مبتلا ہو گئے، مبتلا ہونے والوں میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی بخار آ گیا تھا، اور اس قدر شدید تھا کہ ان کے سر کے بال تک اڑ گئے تھے، جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بخار آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مزاج پرسی

کے لئے تشریف لے گئیں، اُس وقت اُن کی عمر سات آٹھ سال تھی، اور پردہ کا حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بخار میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے،

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ ؛ وَالْمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ شعر سُنا تو دل میں کہا کہ اباجان عجیب بہکی بہکی باتیں کررہے ہیں، اور ان کو پتہ بھی نہیں کہ کیا فرما رہے ہیں،

اخبار مدینہ میں عمر بن شبیہؒ نے لکھا ہے کہ یہ شعر حنظلہ بن سیار کا ہے، جو اس نے یوم ذی قار میں کہا تھا، حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبرت اور نصیحتِ نفس کے لئے اس کو بخار کے زمانہ میں پڑھا کرتے تھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو صبح کے وقت دوسرے لوگ دُعا دیتے ہیں، اور کہتے ہیں صَبَّحَكَ اللهُ بِالْخَيْرِ "اللہ خیریت کے ساتھ تیری صبح کرے" لیکن موت کا کسی کو پتہ نہیں کب آکھڑی ہو، اور وہ انسان سے اتنی قریب ہے کہ اس کے جوتہ کا تسمہ بھی قدم سے اتنا قریب نہیں ہے،

بعض شراح نے كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ کا مطلب یہ بتایا گیا ہے کہ ہر آدمی کو صبح کے وقت شراب پلائی جاتی ہے اور اس کو یہ بھی پتہ نہیں کہ موت قریب کھڑی ہے، تھوڑی دیر میں دبالیتی ہے،

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ معظمہ بہت یاد آتا تھا، اور بخار اُتر جانے کے بعد مکہ کی یاد میں بلند آواز سے یہ دو شعر پڑھا کرتے تھے،

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً ؛ بِوَادٍ وَحَوْلِي إِذْخِرٌ وَجَلِيلُ

ترجمہ: "کاش مجھے پتہ چل جاتا کیا کوئی رات اس وادی میں گذاروں گا، کہ میرے اردگرد اذخر وجلیل گھاس ہوگی"

اذخر مکہ معظمہ کے جنگل کی مشہور گھاس ہے جو بہت عام ہوتی ہے، یہ گھاس خوشبودار ہوتی ہے، پتے چوڑے چوڑے ہوتے ہیں، اور جلیل پیلے رنگ کی ایک گھاس ہے، اس سے چھپر وغیرہ بنایا کرتے تھے، شیخ ابو عمر نے فرمایا کہ یہ دونوں گھاسیں (اذخر وجلیل) مکہ میں اور اس کی وادیوں میں ہوتی ہیں، اور کسی جگہ نہیں ملتی ہیں،

وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ ؛ وَهَلْ يَبْدُوَنْ لِي شَامَةٌ وَطَفِيلُ

ترجمہ: "اور کیا میں کسی دن مجنّۃ مقام کے پانیوں پر وارد ہوں گا (یعنی وہاں کے پانیوں سے پینا اور فائدہ حاصل کرنا نصیب ہوگا) اور کیا میرے لئے شامہ اور طفیل پہاڑ ظاہر ہوں گے (یعنی کیا کبھی یہ دونوں پہاڑ نظر پڑیں گے)"

مقام مجنّۃ کے بارے میں شراح حدیث نے لکھا ہے کہ یہ جگہ مکہ معظمہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے، کسی نے کہا ہے کہ یہ جگہ مَرّ الظہران میں تھی، اور کسی نے بتایا ہے کہ مکہ معظمہ کے نشیبی حصّہ کی جانب ایک برید کے فاصلہ پر تھی، زمانۂ جاہلیت میں یہاں ذی الحجہ کا چاند نظر آنے سے دس دن بازار لگتا تھا، اس کے بعد آٹھ روز تک ذی المجاز میں بازار لگتا تھا، اس کے بعد حج کے لئے منیٰ کو روانہ ہوجاتے تھے،

شامہ اور طفیل کے بارے میں شراح نے لکھا ہے کہ یہ دونوں مکہ سے تیس میل دور دو پہاڑ ہیں، اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ دونوں پہاڑ مقام مجنّۃ کے قریب ہیں،

علامہ خطابی نے فرمایا ہے کہ "میں بھی یہی سمجھتا رہا کہ یہ دونوں پہاڑ ہیں، پھر وہاں سے میرا گذر ہوا تو پتہ چلا کہ یہ دونوں پانی کے چشمے ہیں" لیکن علامہ زرقانی نے فرمایا ہے کہ دونوں باتیں اس طرح جمع ہوتی ہیں کہ پہاڑوں میں یا پہاڑوں کے قریب دو چشمے ہوں، لہٰذا جس نے پہاڑ بتایا اس کی بات بھی ٹھیک ہوئی، اور جس نے کہا چشمے ہیں اس کی بات بھی درست ہوئی واللہ اعلم

علامہ زرقانی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ دونوں شعر خود حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نہیں ہیں بلکہ بکر بن غالب جرہمی کے شعر ہیں، جو اس نے اس وقت کہے تھے جبکہ بنی خزاعہ نے اس کو مکہ معظمہ سے نکال دیا تھا،[۱]

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو حبشہ کے رہنے والے لیکن برسہا برس چونکہ مکہ معظمہ میں رہے تھے اور وہاں کی سرزمین سے مانوس تھے، اور مدینہ منورہ آتے ہی وبائی بخار میں پڑ گئے تھے اس لئے مکہ کی سرزمین کے چھوٹ جانے پر بطور حسرت اور افسوس کے یہ شعر پڑھتے تھے، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ "کاش! میں مکہ کی وادی میں پہنچ جاتا اور وہاں گھاس

---

[۱] صحیح بخاری مع حاشیہ فتح الباری، ج ۱، ص ۱۲۹ تا ۱۳۰، ج ۱،

کے درمیان اٹھتا بیٹھتا، اور کاش! مکہ کے راستہ کے پہاڑوں اور پانیوں پر میرا گذر ہوتا اور پُرانے وطن پہنچنا نصیب ہوتا،

ان اشعار کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ کے مشرکوں کے سرغنوں کے لئے بددعا بھی کی کہ اے اللہ شیبہ، ربیعہ، عتبہ، امیہ پر لعنت کر جنھوں نے ہم کو ہماری سرزمین سے نکال کر وبا والی زمین میں آنے پر مجبور کیا،

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت بلالؓ کے بخار کا اور ان کے مکہ معظمہ کے اشتیاق کا ذکر کیا تو آپؐ نے اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں یہ دعاء فرمائی کہ:۔

اللّٰھم حبّب الینا المدینۃ کحبنا مکۃ اواشدّ اللّٰھم بارک لنا فی صاعنا وفی مدنا وصحّحھا لنا وانقل حمّاھا الی الجُحفۃ (صحیح بخاری، ص ۲۵۳ ج ۱)	اے اللہ مدینہ ہمیں محبوب بنادے جیسا کہ مکہ سے ہم کو محبت ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ محبت دیدے، اے اللہ ہمارے صاع میں اور ہمارے مد میں برکت عطا فرما اور مدینہ کی آب و ہوا کو درست فرمادے اور اس کے بخار کو جحفہ میں بھیجدے۔

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعاء قبول ہوئی، اور مدینہ منورہ کی آب ہوا نہایت عمدہ ہوگئی، اس کی ہوا اور اس کی مٹی میں شفاء ہے، اس کی بھینی بھینی ہوا کے اثر سے معلوم ہوتا ہے جیسے دل پر شبنم کے پُر بہار قطرے گر رہے ہوں، اس کی گلیوں میں عجیب کیفیت ہے، اور در و دیوار میں عجیب بہار ہے، آپؐ کی دعاء کے بعد مدینہ منورہ حضرات صحابہؓ کو ایسا ہی محبوب ہو گیا جیسا کہ مکہ معظمہ تھا، بلکہ اس سے بھی زیادہ محبت ہوگئی، اور مدینہ کے پھلوں میں صاع و مد میں بھی بہت زیادہ برکت ہوگئی، جو آج تک آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے، صاع اور مد اس زمانے میں پیمانوں کے نام تھے، جن سے ناپ کر خرید و فروخت کرتے تھے،

جحفہ، رابغ کے قریب ایک بستی تھی، اُس زمانہ میں وہاں یہودی رہتے تھے، اس لئے مدینہ منورہ کے بخار کو وہاں بھیجنے کی دعاء فرمائی، مدینہ کی آب و ہوا تو عمدہ ہوگئی اور جحفہ کو

ایسی بددعا لگی کہ اُجڑا ہی گیا، اور آج تک اُجاڑ ہے، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ بال بکھرے ہوئے ایک سیاہ عورت مدینہ منورہ سے مَہْیَعَہ میں داخل ہو گئی، آپؐ نے تعبیر دی کہ مدینہ کی وبا منتقل ہو کر مَہْیَعَہ میں چلی گئی، مَہْیَعَہ جُحفہ کا دوسرا نام ہے،

مدینہ منورہ میں جو آجکل کسی کو بخار آجاتا ہے یہ آب و ہوا کی خرابی کی وجہ سے نہیں ہے اور نہ وبائی بخار ہے، بلکہ بخار کے جو دوسرے طبعی اسباب ہیں اُن کی وجہ سے بخار آتا ہے، اور بخار مؤمن کے لئے بہت مبارک ہے، اس سے خوب گناہ معاف ہوتے ہیں،

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ سے بہت ہی محبت تھی، سفر سے واپس تشریف لاتے ہوئے جب مدینہ منورہ کی دیواروں پر نظر پڑتی تھی تو آپؐ سواری کو تیز کر دیتے تھے، مدینہ منورہ کی محبت کی وجہ سے آپؐ سواری کو تیز کر دیتے تھے، آپؐ کا ارشاد ہے،

اُحُدٌ جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَنُحِبُّہٗ (بخاری شریف)	"یعنی اُحد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں"

مدینہ منورہ میں رہنا اور مرنا بہت محبوب اور مرغوب عمل ہے، ایک حدیث میں فرمایا کہ جو شخص مدینہ منورہ سے بے رغبت ہو کر اس کو چھوڑے گا اللہ جل شانہٗ اس کے بدلے اس میں کوئی دوسرا شخص بھیج دے گا، جو اس چلے جانے والے سے بہتر ہوگا، اور (فرمایا کہ) جو شخص (مدینہ کے قیام میں) اس کی شدت اور مشقت پر صبر کرے گا میں اس کے لئے سفارش کرنے والا اور گواہی دینے والا ہوں گا،" (صحیح مسلم)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس سے یہ ہو سکے کہ مدینہ میں مرے اس کو چاہئے کہ وہ مدینہ میں مرے کیونکہ میں اس کے لئے سفارش کروں گا، جو مدینہ میں مرے گا، (احمد و ترمذی، وقال حسن صحیح غریب اسناد)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ کوئی شہر ایسا نہیں جس میں دجّال نہ پہنچے گا، سوائے مکہ اور مدینہ کے، مدینہ کے ہر راستہ پر فرشتے صف بنائے پہرہ دے رہے ہوں گے (دجّال وہاں

پہونچے گا تو شہر میں داخل نہ ہو سکے گا، شہر کے باہر) شور زمین میں اُتر جائے گا، اُس وقت مدینہ میں تین بار زلزلہ آئے گا جس کی وجہ سے ہر کافر اور منافق مدینہ سے نکل کر دجال کے ساتھ ہو جائے گا، (صحیح بخاری)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ دجال مشرق کی جانب سے آئے گا اور (اُحد کے پیچھے اُترے گا، پھر فرشتے اس کا رُخ شام کی طرف کر دیں گے، اور وہ وہاں جا کر ہلاک ہو جائیگا)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ مدینہ میں طاعون اور دجال داخل نہ ہوگا (مسلم) اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو شخص اہلِ مدینہ کے بارے میں کسی طرح کی بُرائی (یعنی دُکھ پہنچانے والی چیز) کا ارادہ کرے گا اللہ اس کو اس طرح پگھلا دے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے، (مسلم)

جن حضرات کو مدینہ طیبہ میں رہنا نصیب ہو، اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور مدینہ و اہلِ مدینہ سے محبت کریں، کسی سے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو درگذر کریں اور تکلیف دینے والے کے حق میں دُعا کریں، جس طرح ممکن ہو دُکھ تکلیف کے ساتھ آخری دم تک مدینہ میں رہیں، تاکہ مدینہ میں موت آئے،

ایک حدیث میں ارشاد ہو کہ بلاشبہ ایمان مدینہ کی طرف اس طرح سمٹ کر آجائیگا جیسے سانپ اپنے بِل کی طرف سمٹ کر آتا ہے، اور ایک حدیث میں یوں ارشاد ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طَابَہ رکھا ہے، اور بعض احادیث میں مدینہ کو طیبہ فرمایا ہے، (مسلم) "طیبہ" اور "طابہ" دونوں بمعنی پاکیزہ ہیں

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مدینہ لوگوں کو دُور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دُور کرتی ہے، (بخاری)

مدینہ طیبہ میں کسبِ دنیا کے لئے نہ رہے، اور مدینہ کو اس لئے نہ چھوڑے کہ فلاں جگہ مال بہت ہے، یا چیزیں سستی ہیں، حضرت سُفیان بن ابی زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ یمن فتح ہوگا پس لوگ آئیں گے، اپنے جانوروں کو چلا کر لے جائیں گے، اور اپنے اہل و عیال

کو، اور جو کوئی ان کی بات مانے گا اُس کو اٹھا کر وہاں لے جائیں گے، حالانکہ مدینہ اُن کے لئے بہتر ہوگا کاش وہ جانتے ہوتے، اور شام فتح ہوگا پس لوگ آئیں گے جو اپنے جانوروں کو چلائیں گے اور اپنے اہل وعیال کو اور جو کوئی ان کی اطاعت کرے اس کو اٹھا کر وہاں لے جائیں گے، حالانکہ ان کے لئے مدینہ بہتر ہوگا کاش وہ جانتے ہوتے، اور عراق فتح ہوگا پس لوگ آئیں گے جو اپنے جانوروں کو چلائیں گے اور اپنے اہل وعیال کو اور جو کوئی انکی بات مان لے گا اس کو اٹھا کر وہاں لے جائیں گے، حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہوگا، کاش وہ جانتے ہوتے (بخاری)

وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِىْ لُؤَىٍّ ⑫ حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرٌ

ترجمہ: ”اور آسان ہوگیا بنی لُوَیّ کے سرداروں (یعنی مہاجرین) پر مقام بُوَیرَہ میں ایسی آگ لگانا جس کے شرارے خوب اُڑ رہے تھے“ (صحیح بخاری ص ۳۱۲/۱۲، باب قطع الشجر والنخل (ص ۵۷۵ ج ۲ باب حدیث بنی النضیر)۔

شرح زمانۂ قدیم سے مدینہ منورہ کے اوپر کے حصہ میں جسے ”عوالی“ کہا جاتا ہے یہود کے دو بڑے قبیلے بنو قریظہ اور بنو نضیر آباد تھے، ان کے علاوہ دو قبیلے اور تھے، ایک بنو قینقاع اور ایک بنو حارثہ، ان لوگوں کے آباء واجداد اس نیت سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف فرما ہوں گے، تو ہم اُن پر ایمان لے آئیں گے، اور اُن کے ساتھ مل کر کافروں سے جہاد کریں گے، اندرونِ شہر اوس اور خزرج نامی دو قبیلے رہتے تھے، یہ لوگ بُت پرست تھے، یہی آخر الذکر دو قبیلے مسلمان ہو کر ”انصار“ کے مبارک لقب سے سرفراز ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے مشرکین سے یہودی خود بیان کیا کرتے تھے کہ ایک نبی کی بعثت ہونے والی ہے، وہ نبی آخر الزمانؐ ہونگے، پھر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو مشرکین کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج تو مسلمان ہوگئے اور یہودی اس ضد میں کافر ہی رہ گئے کہ ہم میں سے نبی کیوں نہ آیا، جب آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی، اور مدینہ میں قیام فرمالیا تو یہاں یہودیوں کی شرارتوں اور ریشہ دوانیوں سے واسطہ پڑا

اوّل تو اُن لوگوں نے صلح کرلی اور یہ عہد کرلیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کسی کی مدد نہ کریں گے، اور اگر کوئی دشمن حملہ آور ہوا تو اس کے مقابلہ میں آپؐ کی مدد کریں گے لیکن بعد میں غدر کیا اور صلح کو توڑ بیٹھے، سنن ابو داؤد میں ہے کہ جنگ بدر کے بعد مشرکین مکہ نے مدینہ منورہ کے رہنے والے یہودیوں کو خط لکھا کہ تم لوگ ہتھیاروں اور قلعوں والے ہو، لہٰذا ہمارے آدمی (یعنی ہمارے یہاں سے ہجرت کرکے جانے والے شخص) محمد (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے جنگ کرو، ورنہ ہم تمہارے ساتھ ایسا ایسا کریں گے اور اس وقت ہمارے اور تمھاری عورتوں کے پازیبوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوگی (یعنی ہم سے جو کچھ ہو سکے گا ہم کریں گے، تمھاری عورتوں کو بے عزت کریں یا اُن کو باندی بنائیں کوئی چیز ہم کو روکنے والی نہ ہوگی)

جب بنو نضیر کو یہ خط ملا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (سے جو عہد کر رکھا تھا اُس کی خلاف ورزی کرنے اور آپؐ کے ساتھ) بدعہدی کرنے پر تُل گئے، اور آپؐ کو شہید کرنے کی یہ ترکیب کی کہ آپؐ کو لکھ بھیجا کہ آپؐ اپنے آدمیوں کے ساتھ آجائیں ہمارے علماء آپؐ کی بات سُنیں گے، اگر انھوں نے آپؐ کی تصدیق کردی تو ہم سب ایمان لے آئیں گے جب آپؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ روانہ ہوئے تو اُن لوگوں نے چپکے سے خنجر چھپا کر رکھ لئے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اچانک بے خبری میں شہید کرنے کی آپس میں خفیہ سازش کرلی، بنی نضیر کی ایک عورت نے ایک انصاری مسلمان کو اس مشورہ کی خبر دیدی یہ انصاری اس عورت کے بھائی تھے، یہ صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوڑے ہوئے گئے، اور آپؐ کے پہنچنے سے پہلے آپؐ کو صورت حال سے مطلع کردیا، آپؐ یہ خبر پاکر واپس ہوگئے، پھر دوسرے دن صبح کو آپ اپنے لشکروں کے ساتھ تشریف لے گئے، اور اُن کا محاصرہ کرلیا، اور ان سے فرمایا کہ اللہ کی قسم اب تم کو ہمارے پاس کوئی امان نہیں ہے، جب تک نیا معاہدہ نہ کرو، انھوں نے اس سے انکار کیا تو اس دن آپؐ نے قتال جاری رکھا، پھر دوسرے دن صبح صبح آپؐ لشکروں کے ساتھ اوّلاً بنی قریظہ کے پاس تشریف لائے، اور بنی نضیر کو چھوڑ دیا، بنو قریظہ سے وہی نئے

معاہدہ کی بات کی، انھوں نے نیا معاہدہ کرلیا، اس کے بعد آپ نے بنو قریظہ کو چھوڑ کر اپنے لشکروں سمیت بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے، اور اُن سے قتال کیا، ان لوگوں نے قلعوں میں پناہ لے لی تھی، حضرات صحابہؓ نے ان کا محاصرہ جاری رکھا، حتیٰ کہ یہ لوگ جلاوطنی پر رضامند ہوگئے، اور جو سامان اور گھروں کے دروازے اور لکڑیاں اونٹوں پر لے جاسکتے تھے وہ لے گئے۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریشِ مکہ کو بدر میں شکست دے کر کامیاب اور فتح یاب ہو کر واپس ہوئے تو یہودیوں کو بنی قینقاع کے بازار میں جمع کیا، اور اُن سے فرمایا کہ:۔

یا معشر یہود اسلموا قبل ان یصیبکم ما اصاب قریشًا	"یعنی اے یہودیو! تم اس سے قبل مسلمان ہوجاؤ کہ تم کو بھی وہی مصیبت پہنچے جو قریش مکہ کو پہنچی"!

یہ سنکر یہودیوں نے اسلام قبول کرنے کی بجائے بہت ہی ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم دھوکہ میں ہرگز نہ پڑو (اور یہ نہ سمجھو کہ ہم پر بھی غالب آجاؤ گے) کیونکہ آپ کو اب تک قریشِ مکہ سے واسطہ پڑا ہے، جو اناڑی لوگ ہیں لڑنا نہیں جانتے، تم نے ہم سے جنگ کی تو پتہ چلے گا کہ ہم جنگی لوگ ہیں، اور یہ معلوم ہوجائے گا کہ ہماری جیسی جماعت سے (اب تک) واسطہ نہیں پڑا ہے۔[2]

بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی نضیر کے پاس دو مقتول شخصوں کی دیت (خونبہا) کے سلسلہ میں تشریف لئے گئے، مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ بھی اس میں شریک ہوجائیں، یہ دو مقتول بنی عامر کے قبیلہ کے تھے، ان کے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ تھا، نیز بنی نضیر اور بنی عامر کے درمیان دوستی تھی

---

[1] سنن ابی داؤد مع شرح بذل المجہود باب فی خبر النضیر، ۱۲

[2] سنن ابی داؤد باب کیف کان اخراج الیہود من المدینۃ ۱۲

جب آپؐ بنی نضیر کے پاس دیت کے سلسلہ میں تشریف لے گئے، تو انھوں نے کہا کہ ہاں بیٹھیے ہم فکر کرتے ہیں اور چندہ جمع کر کے دیتے ہیں، اِدھر سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تو یہ کہا، اور اُدھر آپس میں یہ مشورہ کیا کہ آں کو ہلاک کرنے کا اس سے اچھا کیا موقع ہو سکتا ہے؟ آپؐ ایک دیوار کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، ان لوگوں نے ایک شخص کو آمادہ کیا کہ اوپر سے آپؐ پر ایک بہت بڑا پتھر گرا دے، آپؐ کو آسمان سے اس کی اطلاع مل گئی، اور آپؐ وہاں سے یہ ظاہر کر کے اٹھ گئے کہ قضائے حاجت کی ضرورت ہے، اور اپنے لشکر کے ساتھ تشریف لائے، اور آپؐ نے ان کے پاس خبر بھیجی کہ اب تم میرے ساتھ اس شہر میں نہیں رہ سکتے ہو، میں تم کو جلاوطن کرتا ہوں، تم کو دسؔ دن کی مہلت ہے، اس مدت کے اندر یہاں سے چلے جاؤ؛

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر دیکھ کر یہ لوگ قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے، اور اُن کو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول نے تھپکی دیدی اور کہا کہ تم یہاں سے ہرگز نہ جانا، ہم تمھارے حامی اور ساتھی ہیں، اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی ضرور بالضرور نکلیں گے اور تم سے جنگ کی گئی تو ہم بھی ضرور بالضرور تمھاری مدد کریں گے،

ان لوگوں کی بات سن کر بنو نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ ہم نہیں نکلتے، آپ جو چاہیں کریں، آپؐ نے فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ حَارَبَتْ یَہُوْدُ (اللہ سب سے بڑا ہے، یہودی جنگ پر اُتر آئے) آپؐ کے لشکر نے بنی نضیر کا محاصرہ جاری رکھا، جو چھ دن تک رہا، اس عرصہ میں مسلمانوں نے اُن کے کھجوروں والے باغات میں سے بہت سے درخت کاٹ دیئے اور جلا دیئے، یہ لوگ مدد کی تھپکی دینے والوں کے انتظار میں رہے، مگر کسی نے کچھ مدد نہ کی، بالآخر اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ جلاوطن ہو جائیں اور مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پہلے ہی جلاوطنی کا فرمان بھیج دیا تھا، اب بعد خرابیٔ بسیار اس پر آمادہ ہو گئے، ان کو اجازت دی گئی کہ اونٹوں پر جو کچھ لے جا سکتے ہوں لے جائیں، چنانچہ انھوں نے اپنے بنائے ہوئے گھروں کی کڑیاں اور کواڑ خود اپنے ہاتھوں سے نکالنا شروع کر دیا، جس وقت یہ لوگ اپنے مکان گرا رہے تھے مسلمان بھی اُن کے

گھر توڑ رہے تھے، یہ لوگ اونٹوں پر لکڑیاں، کواڑ، چوکھٹ وغیرہ رکھ کر اور بہت سامان ساتھ لے کر خیبر اور شام کی طرف چلے گئے، ان میں سے صرف دو شخص مسلمان ہوئے، ایک یامین بن عمیرؓ اور دوسرے ابو سعید بن وہبؓ، ان دونوں کا مال محفوظ رہا۔
یہ واقعہ غزوۂ بدر کے بعد پیش آیا، یہود کا قبیلہ بنو قینقاع پہلے ہی جلا وطن کیا جا چکا تھا۔[۱]

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جو بنی نضیر کے درخت جلا دیئے تھے، ان کا ذکر حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اس شعر میں کیا ہے، جس کی تشریح کے ذیل میں یہ واقعہ ہم نے ابھی ابھی بیان کیا... دیوانِ حسانؓ میں اس کے ساتھ تین شعر اور ذکر کئے ہیں، چاروں اشعار مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیں ؎

تَفَاقَدَ مَعْشَرٌ نَصَرُوْا قُرَیْشًا ؛ وَلَیْسَ لَھُمْ بِبَلْدَتِھِمْ نَصِیْرٌ

ترجمہ: جن لوگوں نے قریش کی مدد کی اُن سب نے ایک دوسرے کو گم کر دیا، یعنی سب ہلاک اور منتشر ہو گئے، اور اُن کے شہر میں اُن کا کوئی مددگار نہ رہا۔

ھُمْ اُوْتُوا الْکِتٰبَ فَضَیَّعُوْہُ ؛ فَھُمْ عُمْیٌ مِّنَ التَّوْرَاۃِ بُوْرٌ

ترجمہ: "اُن لوگوں کو کتاب دی گئی، پس انھوں نے اس کو ضائع کر دیا، پس یہ لوگ توراۃ کے بارے میں اندھے ہیں اور ہلاک شدہ لوگ ہیں۔"

کَفَرْتُمْ بِالْقُرْاٰنِ وَقَدْ اُتِیْتُمْ ؛ بِتَصْدِیْقِ الَّذِیْ قَالَ النَّذِیْرُ

ترجمہ: "تم نے کفر کیا قرآن کے ساتھ، حالانکہ تم کو اس چیز کی تصدیق دی جا چکی ہے جو اللہ کے نذیر یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"

وَھَانَ عَلٰی سَرَاۃِ بَنِیْ لُؤَیٍّ ؛ حَرِیْقٌ بِالْبُوَیْرَۃِ مُسْتَطِیْرٌ

---

[۱] فتح الباری حدیث بنی نضیر بعد ذکر شہداء بدر ۱۲

[۲] فتح الباری میں بھی یہ اشعار نقل کئے ہیں، مگر اس میں تَفَاقَدَ کے بجائے تَقَاعَدَ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ "قریش کے مددگار بیٹھ گئے۔" ۱۲

ترجمہ: "اور بنی لؤی کے سرداروں پر آسان ہو گیا مقام بُوَیرَہ کو جلانا، جس کے شرارے خوب اُڑ رہے تھے"۔

ان اشعار میں حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودیوں کی بدحالی بیان کی ہے، کہ وہ قریش مکہ کے مددگار بنے، اور اسلام کے خلاف کارروائی کرنے میں مشرکین کے ساتھ ہوئے، پھر وہ اسی بیچارگی میں رہ گئے، کہ اُن کے شہر میں بھی اُن کا کوئی مددگار نہ رہا ان کو اللہ پاک نے توراۃ دی تھی، لیکن اس کی ہدایت کے خلاف چلتے رہے، اور نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیوں کو چھپا گئے، اور توریت کا غلط مطلب لوگوں کو بتا کر پیسے کھاتے رہے، پس توراۃ کا جاننا نہ جاننے کے برابر ہوا، لہٰذا اندھوں کے مانند ہوئے، بلکہ اندھوں سے بھی بدتر ہو کر ہلاک ہوئے، کیونکہ اندھے کی بینائی چلی جاتی ہے، لہٰذا وہ دیکھنے سے مجبور ہو جاتا ہے، اور یہ لوگ جانتے ہوئے جہالت میں پڑ گئے، اور نفسانی ضد اور ہٹ نے اُن کو تباہ کر دیا، اس لئے عُمْیٌ کے بعد بُوْرٌ بھی فرمایا، یعنی یہ لوگ توراۃ کے بارے میں اندھے ہیں، بلکہ اس کی صریح خلاف ورزی کی وجہ سے برباد اور تباہ حال ہیں، انھوں نے قرآن کا انکار کیا، اور آخرالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی، جن کے دعوائے نبوت کی تصدیق خود توراۃ میں بھی موجود تھی،

آخر میں قریش مکہ کا دل جلانے کے لئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "بنی لؤی کے سرداروں یعنی مہاجرین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے مقام[1] بُوَیرَہ میں آگ لگانا آسان ہو گیا، اور قریش کی معاونت کا دم بھرنے والے یہودیوں کو اپنے باغات اور زمین و جائیداد سے ہاتھ دھو کر خود ہی مدینہ چھوڑنا پڑا، اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زک دے کر قریش کو کیا خوش کرتے خود ہی ناچار مجبور ہو کر بیک بینی و دو گوش مدینہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے،

---

[1] فتح الباری میں ہے کہ بُوَیرَہ تصغیر ہے بُورَۃ کی بُورَہ گڑھے کو کہتے ہیں، لیکن یہاں اس سے ایک مقام معروف مراد ہے، جو مسجد قبا سے قبلہ کی جانب کچھ دُور چلنے کے بعد مغربی سمت کو ہٹ کر ہے ۱۲

شعر وَہَانَ عَلٰی سَرَاۃِ بَنِیْ لُؤَیِّ الخ کا ترجمہ و مطلب جو ہم نے ابھی لکھا ہے یہی دل کو زیادہ لگتا ہے، اگرچہ شرّاح کی مجمل عبارتوں سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ بنی لؤی کے سرداروں سے مہاجرین کرام مراد نہیں ہیں، بلکہ قریشِ مکہ مراد ہیں، جو اُس وقت مشرک تھے، اور حضرت حسان رضی کا مقصد یہ ہے کہ مشرکینِ مکہ کے سرداروں نے یہودیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکایا اور مدد کے وعدے کئے، جس کی وجہ سے وہ شیر ہوکر آمادۂ جنگ و جدال ہوئے، پھر جب اُن کے باغات جلائے گئے تو سردارانِ قریش نے کچھ بھی مدد نہ کی اور اپنا سا مُنہ لے کر رہ گئے کیونکہ یہود کو اکسا کر اس ذلت تک پہنچانے کا ذریعہ قریشِ مکہ ہی بنے تھے، اس لئے گویا ان درختوں کے کاٹنے اور جلانے کے ذمّہ دار قریش ہی ہیں، واللہ اعلم

حضرت حسّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ بالا اشعار کے جواب میں ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب نے بعض اشعار کہے، یہ اشعار بھی بخاری شریف میں منقول ہیں، ابوسفیان حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے، اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، فتحِ مکہ کے دن مسلمان ہوئے، ان کے اشعار یہ ہیں :۔

أَدَامَ اللّٰهُ ذٰلِكَ مِنْ صَنِيعٍ ﴿۱۳﴾ وَحَرَّقَ فِيْ نَوَاحِيْهَا السَّعِيْرُ

ترجمہ: "اللہ ہمیشہ رکھے اس کام کو (یعنی آگ لگانے کو) اور جلاتی رہے آگ مدینہ کے گرد و نواح میں"

سَتَعْلَمُ أَيُّنَا مِنْهَا بِنُزْهٍ ﴿۱۴﴾ وَتَعْلَمُ أَيَّ أَرْضَيْنَا تَضِيْرُ

(صحیح بخاری، ص ۵۷۵ ج ۲، باب حدیث بنی النضیر)

ترجمہ: "تو عنقریب جان لے گا کہ ہم سے کون اس زمین (بُوَیْرَہ) سے دور رہے، اور تو یہ بھی جان لے گا کہ دونوں زمینوں (یعنی سرزمینِ مکہ اور سرزمینِ مدینہ) میں سے تم کس کو نقصان پہنچا رہے ہو؟"

ابوسفیان نے اپنے پہلے شعر میں مسلمانوں کو بد دعا دی کہ یہ باغات جلنے جلانے کا کام مدینہ میں ہوتا رہے، اور اس کے گرد و نواح میں دہکتی ہوئی آگ اپنا کام کرتی رہے، اور گو اس میں اپنے حلیفوں یعنی یہود کے لئے بھی بد دعا ہے، لیکن چونکہ مسلمانوں کا اقتدار مدینہ پر

مکمل ہوچکا تھا، اور یہود بنی قینقاع اور یہود بنی نضیر وہاں سے جلا وطن ہو چکے تھے، اور یہود بنی قریظہ کے بچنے کے بھی آثار نہیں رہے تھے، اس لئے اس بد دعا کا رُخ مسلمانوں کی ہی طرف ہے،

دوسرے شعر میں اس نے حضرت حسانؓ کو خصوصاً اور عام مسلمانوں کو عموماً خطاب کر کے کہا کہ بُوَیرہ میں آگ لگانے کی بات ہم کو کیا سناتے ہو، یہ تو تمہارا اپنا نقصان ہے، ہم تو مکہ میں ہیں، جو مدینہ سے بہت دُور ہے، اور تم لوگ تو وہیں ہو جس زمین میں آگ لگی ہے، اس کے اثر سے تمہاری اپنی زمینوں کو نقصان ہو سکتا ہے، ہم کو اتنی دور سے کیا نقصان ہوگا؟ تم خود سمجھ لو کہ آگ لگا کر کس سرزمین کو تم نے نقصان پہنچایا؟ ہماری زمین کو نقصان پہنچایا یا تمہاری زمین کو؟ أرْضِيْنَا بکسر الضاد جمع بھی منقول ہے اور اَرْضَيْنَا بفتح الضاد تثنیہ کی بھی روایت ہے، مآل دونوں کا ایک ہی ہے،

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ شارح کرمانی نے لکھا ہے کہ بعض نسخوں میں تَضِیْرُ (بالتاء) کی بجائے نَضِیْرُ (بالنون) ہے، جو نضارۃ سے فَعِیْلٌ کے وزن پر ہے، اس صورت میں آخری مصرع کا ترجمہ یوں ہوگا کہ "اے مخاطب تو جان لے گا کہ ہماری زمینوں میں کونسی زمین تر و تازہ ہے، ہماری یا تمہاری" یعنی آگ لگا کر تم نے اپنی زمین خود خراب کر دی، ہماری زمین اپنی تر و تازگی اور خوبی پر باقی رہی،

ابو سفیان کے شعروں کا جواب کسی جگہ منقول نہیں دیکھا، جو کسی صحابی نے نظم یا نثر میں دیا ہو، البتہ قرآن مجید میں جو بنی نضیر کی جلا وطنی کا تذکرہ فرما کر ان کے درختوں کے کاٹنے کا ذکر فرمایا ہے اس میں اس کا جواب موجود ہے، سورۂ حشر میں ارشاد ہے:-

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ	"اللہ وہی ہے جس نے اہل کتاب (یعنی بنی نضیر) کو ان کے گھروں سے پہلی بار اکٹھا کر کے نکال دیا، (اس میں اشارہ ہے کہ دوسری بار پھر نکالے جائیں گے، چنانچہ بعد میں حضرت عمرؓ نے تمام یہود کو جزیرۂ

فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۚ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ وَلَوْلَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۚ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (پ ۲۸)

عرب سے نکال دیا تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ کبھی (اپنے گھروں سے) نکلیں گے، اور انھوں نے بھی یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ (کے انتقام) سے بچالیں گے، سو ان پر خدا (کا عذاب) ایسی جگہ سے آپہنچا جہاں سے ان کو خیال اور گمان بھی نہ تھا، اور ان کے دلوں میں اللہ نے رُعب ڈال دیا جس کی وجہ سے اُن کی یہ حالت تھی کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے، سو اے دانشمندو! عبرت حاصل کرو، (کہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا انجام بعض اوقات دنیا میں بھی نہایت برا ہوتا ہے) اور اگر اللہ تعالیٰ اُن کی قسمت میں جلاوطنی نہ لکھی ہوتی تو ان کو دنیا ہی میں سزا دیتا، اور اُن کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے، یہ اس سبب سے کہ اُن لوگوں نے اللہ کی اور اللہ کے رسول کی مخالفت کی، اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے، (مخالفت دو طرح سے ہوئی، اوّل نقض عہد جس کی سزا جلاوطنی ہوئی، دوم ایمان نہ لانا جس کی سزا عذاب نار ہے) جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹے یا اُن کو اُن کی جڑوں پر باقی رہنے دیا، سو دونوں باتیں خدا ہی کے حکم اور رضا کے موافق ہیں، (تاکہ مسلمانوں کو عزت دے) اور تاکہ کافروں کو ذلیل کرے "

(از بیان القرآن)

آخری آیت کے شانِ نزول کے بارے میں حاشیہ بخاری صفحہ ۵۷۵ ج ۲ میں معالم التنزیل

سے نقل کیا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جو یہود کے درخت کاٹے تھے اُس میں خود صحابہؓ میں اختلاف ہو رہا تھا، بعض حضرات فرماتے تھے کہ یہ مال فئ ہے جو ہم کو ملنے والا ہے، ہم اس کو کیوں کاٹیں! یہ تو ہمارا ہی نقصان ہے، اور بعض حضرات نے کہا کہ کاٹنا مناسب ہی تاکہ یہودیوں کے دل جلیں اور تلملائیں، اللہ جلّ شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ جو تم نے درخت کاٹے ہیں اور جو چھوڑ دیئے ہیں، یہ دونوں کام اللہ کے حکم کے موافق ہیں دونوں میں مصلحت ہی، ترکِ قطع میں بھی مسلمانوں کی کامیابی ہے، اور کفار کے لئے دلسوزی اور حسرت و افسوس اور زبردست غمی کی بات ہے کہ اُن سے چھوٹ کر مسلمانوں کے قبضہ میں آجائیں گے، اور کاٹنے جلانے میں بھی حکمت ہے، کیونکہ اس سے مسلمانوں کے غلبہ کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، اور کافروں کے دل جلتے ہیں، اور ان کی پوری طرح رسوائی ہوتی ہے، دشمن کو ذلیل اور رُسوا کرنا بھی ایک بہت بڑی چیز ہے، اس غرض کے لئے بعض مرتبہ اپنا نقصان تک برداشت کر لیا جاتا ہے، پس ابو سفیان کا یہ کہنا کہ تم نے اپنا نقصان کیا .... اس کی کوئی حقیقت نہیں، کیونکہ معمولی نقصان برداشت کر کے دشمن کو خوب ذلیل اور رُسوا کر کے جلا وطن کر دیا،

منافقین نے جو بنو نضیر کو بھبکی دی تھی کہ تم ہرگز نہ نکلنا ہم تمھارا ساتھ دیں گے، اس کا تذکرہ سورۂ حشر کے رکوع نمبر ۲ میں اس طرح سے فرمایا:-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ	"کیا آپ نے اُن منافقوں کی حالت نہیں دیکھی کہ اپنے بھائیوں سے کہ کفار اہلِ کتاب ہیں کہتے ہیں کہ واللہ اگر تم نکالے گئے تو ہم تمھارے ساتھ نکل جائیں گے، اور تمھارے معاملہ میں ہم کبھی کسی کا کہنا نہ مانیں گے، اگر تم سے ... لڑائی کی گئی تو ہم تمھاری مدد کرینگے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں،

وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ٥ (پ ۲۸، ع ۵)

واللہ اگر اہلِ کتاب نکالے گئے تو یہ اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ اُن کی مدد نہ کریں گے، اور اگر اُن کی مدد بھی کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر اُن کی کوئی مدد نہ ہوگی۔"

منافقین کو اہلِ کتاب کا بھائی اس لئے فرمایا کہ کفر اختیار کرنے میں دونوں شریک تھے منافقین کیونکہ دل سے کافر تھے اور جھوٹی زبان سے کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں، اس لئے اللہ کے نزدیک اُن کا کافروں میں شمار تھا، اُن کی اور یہود کی شرارتیں اور سازشیں اسلام اور داعیِ اسلام کے خلاف برابر رہتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب دشمنانِ اسلام سے عہدِ نبوت ہی میں نجات دیدی تھی، برسہا برس کے بعد پھر یہود و نصاریٰ نے سر اٹھایا، اور اس دَور کے منافقین ان کا ساتھ دیتے رہے، اور مخلص مسلمان ان کی ہمیشہ سرکوبی کرتے رہے، آج پھر اسلام کے خلاف کفری جماعتوں کا گٹھ جوڑ ہے، اللہ جل شانہٗ مسلمانوں کو توفیق دے کہ کفر اور اہلِ کفر کے خلاف متحد ہو کر اسلام کی خدمت اور نصرت کے لئے سینہ سپر ہو جائیں، وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

(۱۵) اَلَا يَا حَمْزُ لِلشُّرُفِ النِّوَاءِ

ترجمہ "ارے اے حمزہ (اُٹھو) موٹی موٹی اونٹنیوں کی طرف"

(صحیح بخاری صفحہ ۳۲۰ ج ۱ باب بیع الحطب الکلاء و ص ۵۷۱ ج ۲، باب بعد شہود الملائکۃ بدرًا)

شرح اس مصرع کے ساتھ اور بھی مصرعے ہیں، لیکن بخاری شریف میں صرف یہی ایک مصرع مذکور ہے، جس قصہ سے متعلق یہ اشعار مروی ہیں پہلے اس قصہ کو ذہن نشین کر لینا چاہئے،

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت سے مجھے ایک اونٹنی عنایت فرمائی تھی، اور ایک اونٹنی آپ نے اس کے علاوہ مجھے دیدی تھی، میرا ارادہ تھا کہ جب رخصتی ہو اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گھر لاؤں تو ولیمہ کردوں، اور اس مقصد کے لئے میں نے یہود کے قبیلۂ بنی قینقاع کے ایک

تیار کر آمادہ کیا تھا، کہ میرے ساتھ چلے، اور دونوں اونٹنیوں پر اذخر گھاس لے کر آئیں، اور اُسے فروخت کرکے ولیمہ کے اخراجات میں لگاؤں، یہ دونوں اونٹنیاں میں نے ایک دن ایک انصاری کے دروازے پر باندھ دی تھیں، اسی گھر میں شراب پینے کی محفل جمی ہوئی تھی (چچا) حمزہ بن عبدالمطلب (بھی) وہاں شراب پی رہے تھے، ایک گانے والی باندی بھی تھی، اُس نے گاتے ہوئے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو اشعار میں خطاب کیا، اور اس طرف توجہ دلائی کہ باہر جو اونٹنیاں کھڑی ہیں اُس کے عمدہ گوشت کے حصے کاٹ کر لے آئیں یہ نشے میں تو تھے ہی، تلوار لی اور اُن کے کوہان کاٹ ڈالے، اور کوکھیں چیر کر ان کی کلیجیاں نکال لیں، میں نے آکر دیکھا تو آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں، میں نے کہا یہ کس نے کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ حمزہ بن عبدالمطلب نے کیا ہے، جو چند انصاریوں کے ساتھ اس گھر میں شراب پی رہے ہیں، میں بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوا، آپؐ نے میرا چہرہ دیکھ کر رنج و غم کے آثار محسوس کرلئے اور فرمایا تمھیں کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا، آج جیسا بڑا افسوسناک منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا، حمزہؓ نے میری دونوں اونٹنیوں پر حملے کرکے ان کے کوہان کاٹ ڈالے، اور اُن کی کوکھیں (کلیجی نکالنے کے لئے) تلوار سے کاٹ ڈالیں، اور وہ یہاں ایک گھر میں چند شراب پینے والوں کے ساتھ موجود ہیں، پس آپؐ نے اپنی چادر طلب فرمائی اور چادر اوڑھ کر روانہ ہوگئے میں اور زید بن حارثہؓ ساتھ ساتھ چلے، یہاں تک کہ اس گھر میں آگئے جس میں حمزہؓ موجود تھے، آپؐ نے اندر آنے کی اجازت طلب فرمائی، حاضرین نے آپؐ کو اجازت دیدی، آپؐ اندر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ لوگ شراب پینے میں مشغول ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حمزہؓ پر غصہ ہوئے، اور اُن کے اس فعل پر ملامت فرمانے لگے، جو انھوں نے اونٹنیوں کے ساتھ کیا تھا، حمزہ نشہ میں تھے، آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں، انھوں نے تین بار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نظر ڈالی، پہلی بار گھٹنوں تک، دوسری بار ناف تک اور تیسری بار چہرۂ انور تک نظر دوڑائی، پھر کہا کہ تم لوگ میرے باپ کے غلام ہی تو ہو، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہ نشے میں ہیں تو اُلٹے پاؤں واپس ہوگئے، اور ہم بھی آپ کے ساتھ واپس آگئے، یہ واقعہ شراب حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔[1]

---

[1] صحیح بخاری، ص ۲۸۰ ج ۱ باب بیع الحطب و الکلاء، و ص ۴۳۵ ج ۱ باب فرض الخمس و ص ۵۷۱، ج ۲

گانے والی عورت نے جو اشعار پڑھے تھے جن سے متاثر ہو کر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اونٹنیوں پر حملہ کر دیا وہ یہ ہیں:۔

أَلَا يَا حَمْزَ لِلشُّرُفِ النِّوَاءِ ؛ وَهُنَّ مُعَقَّلَاتٌ بِالْفِنَاءِ

"ارے حمزہ (اٹھو) موٹی موٹی اونٹنیوں کی طرف اور وہ بندھی ہوئی ہیں گھر سے باہر میدان میں"

ضَعِ السِّكِّينَ فِي اللَّبَّاتِ مِنْهَا ؛ وَضَرِّجْهُنَّ حَمْزَةُ بِالدِّمَاءِ

"رکھ دے چھری اُن کے گلے پر اور اُن کو لے حمزہ خون میں لت پت کر دے ۔ ۔ ۔ ۔"

وَعَجِّلْ مِنْ أَطَايِبِهَا لِشَرْبٍ ؛ قَدِيْدًا مِنْ طَبِيْخٍ أَوْ شِوَاءِ [1]

"اور ان کا اچھا اچھا گوشت شراب پینے والوں کے لئے جلدی لے آ، بوٹیاں پکائی گئی ہوں، یا بھونا ہوا ہو"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں کہ معجم الشعراء میں مرزبانی نے لکھا کہ یہ اشعار عبد اللہ بن السائب مخزومی کے ہیں، پھر یہ اشکال کیا ہے کہ روایت

---

[1] یا حمز، ہو منادی مرخم، والشرف، جمع شارف وہی المسنۃ من النوق، والنواء بکسر النون جمع ناویۃ وہی السمینۃ صفۃ للشرف، معقلات مشدودات بالعقال، والفناء المکان المتسع امام الدار، واللبات جمع لبۃ وہی المنحر، وضرج امر من التضریج بالضاد والجیم ہو التدمیۃ وحمزۃ منادی بحذف حرف النداء ای یا حمزۃ، من اطایبہا جمع اطیب، واطائب الجزور عند العرب السنام والکبد، والشرب بفتح الشین وسکون الراء ہو الجماعۃ یشربون الخمر والقدیر (بالراء) المطبوخ فی القدر ۱۲ عمدۃ القاری وفی الفتح القدید اللحم (بالدالین) المطبوخ (فکانہ روی بالدال فی آخر الکلمۃ والراء ایضا) وحکی المرزبانی فی معجم الشعراء ان ہذا الشعر لعبد اللہ بن السائب المخزومی لکنہ لیس من الانصار وکان قائل ذلک اطلقہ علیہم بالمعنی الاعم واراد الذی نظم ہذا الشعر وامر القینۃ ان تغنی بہ ان یبعث ہمۃ حمزۃ لما عرف من کرمہ علی نحر الناقتین لیأکلوا من لحمہا وکانہ قال انہض الی الشرف فانحرہا اھ ۱۲

میں تصریح ہے کہ اُس وقت جو لوگ شراب پینے والے موجود تھے وہ انصار تھے، اور عبداللہ ابن السائبؓ انصاری نہیں ہیں، پھر اس کا جواب دیا ہے کہ ممکن ہے کہ تمام حاضرین پر لفظ انصار کا اطلاق بالمعنی الاعم یعنی بطور تغلیب کر دیا ہو،

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ جس نے یہ شعر منظوم کئے اور گانے والی سے کہا کہ ان کو گا، اس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت حمزہؓ کے اندر اونٹنیوں کے کاٹنے کا جوش پیدا ہو جائے، تاکہ سب حاضرین اُن کا گوشت کھالیں، حضرت حمزہؓ کی سخاوت پہلے سے معلوم و معروف تھی، اُن کو اشعار میں خطاب کر کے اس طرف متوجہ کیا، کہ اونٹنیاں کاٹ ڈالیں،

حدیث میں تصریح ہے کہ حضرت حمزہؓ کا یہ واقعہ شراب حرام ہونے سے پہلے کا ہے، اہلِ عرب شراب کے بہت دل دادہ تھے، قبولِ اسلام کے بعد اُن سے شراب فوراً نہیں چھڑائی گئی، بلکہ تدریجاً اس کے بارے میں احکام نازل ہوئے، پہلے تو فرمایا کہ:۔

فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ،	"شراب اور جوئے میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں ہیں، اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں"

پھر اُس کے بعد کچھ لوگ پیتے تھے، کچھ لوگ پرہیز کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مجلس میں شراب پینے کے بعد نماز پڑھائی، جو مغرب کی نماز تھی، تو سورۂ کافرون میں وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ پڑھ دیا، جس سے معنی ہی بدل گئے اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ ۔	"اے ایمان والو! تم نماز کے پاس ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشے میں ہو"

اس فرمان سے اوقاتِ نماز میں شراب پینا ممنوع ہو گیا (ترمذی) پھر کچھ روز کے بعد شراب بالکل حرام قرار دیدی گئی، سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے کہ:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا	"اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب

اَلْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ	اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ رہو، تاکہ تم کو فلاح ہو، شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کردے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے، سو اب بھی باز آؤ گے؟

ان آیات میں اوّل تو شراب اور جوے کو بتوں کے ساتھ ذکر فرمایا جس سے شراب اور جوے کی مذمت پوری طرح بیان ہوگئی، پھر فرمایا کہ یہ چیزیں ناپاک ہیں، تیسرے ان کو عمل شیطان (شیطان کا کام) بتایا، چوتھے فرمایا فَاجْتَنِبُوْهُ (ان سے بچو)، پانچویں بچنے کا فائدہ بتایا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم کو فلاح ہو، چھٹے یہ فرمایا کہ شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض واقع کردے، ساتویں یہ فرمایا کہ شیطان تم کو اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روکنا چاہتا ہے، پھر آخر میں فرمایا کہ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (سو اب بھی باز آؤ گے) یہ سنکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا (ہم باز آگئے، ہم باز آگئے) (کما اخرج الترمذی)

دیکھئے کتنی طرح سے شراب کی مذمت بیان کرکے اس کے پینے کی ممانعت فرمائی، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کہاں تو شراب کے اتنے دلدادہ تھے کہ گویا شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اور جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو فوراً شرابیں پھینک دیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ:۔

لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ (مشکوٰۃ، ص ۵۹)	"یعنی شراب مت پی، کیونکہ وہ ہر گناہ کی کنجی ہے"

اور ایک حدیث میں ہے:

اِنَّہٗ رَأْسُ کُلِّ فَاحِشَۃٍ (مشکوٰۃ ص) | "کہ شراب ہر گناہ کی جڑ ہے "

اور ایک روایت میں ہے:

اَلْخَمْرُ جِمَاعُ الْاِثْمِ (مشکوٰۃ ص) | "کہ شراب تمام گناہوں کا مجموعہ ہے "

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نشہ لانے والی ہر چیز حرام ہے، بیشک اللہ نے اپنے ذمہ عہد کر لیا ہے کہ جو شخص نشہ لانے والی چیز پیئے گا اللہ اس کو طِیْنَۃُ الْخَبَالِ سے پلائے گا صحابہؓ نے عرض کیا طِیْنَۃُ الْخَبَالِ کیا ہے، فرمایا دوزخیوں کے جسموں کا نچوڑ (صحیح مسلم)

حضرت حمزہؓ کے مذکورہ قصہ میں یہ بات بالتصریح مذکور رہے کہ یہ قصہ اس وقت کا ہے جب تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی، اس میں جو دیگر سوال وجواب پیدا ہوتے ہیں ان سب کا یہی جواب ہے کہ اس وقت احکام نازل نہیں ہوئے تھے، گانے والی سے گانا سننا بھی اسی ذیل کی بات ہے، جب بعد میں احکام نازل ہوئے تو پردہ کا حکم نازل ہوگیا، عورت سے اختلاط اور گانا بجانا حرام قرار دیدیا گیا،

یَا لَیْلَۃً مِّنْ طُوْلِھَا وَعَنَائِھَا ﴿۱۶﴾ عَلٰی اَنَّھَا مِنْ دَارَۃِ الْکُفْرِ نَجَّتِ

ترجمہ: "ہائے یہ رات اپنی درازی اور مشقت کے اعتبار سے کیسی رات ہے، مگر اسی نے مجھے دارالکفر سے نجات دی" (صحیح بخاری، ص ۳۴۲، ج ۱ باب اذا قال لعبدہ ہو للہ (ص ۶۰۳ ج ۲ باب قصہ دوس)

شرح یہ شعر حضرت ابوہریرہ دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے سفر میں پڑھا تھا، جبکہ آپ وطن یمن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی نیت سے روانہ ہوئے تھے،

آپ قبیلہ دوس کے ایک فرد تھے، پہلے حضرت طفیل بن عامر دوسی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، اُن کو آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دینے کے لئے قبیلہ میں واپس بھیجا، انھوں نے وہاں جا کر تبلیغ کی، لیکن وہ لوگ مسلمان نہ ہوئے، انھوں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ، قبیلہ دوس ہلاک ہوگیا یعنی اس قبیلہ نے

دعوتِ اسلام قبول نہ کرکے اپنے کو ہلاکت میں ڈال دیا، اور آپ کی نافرمانی کی (اور حق ماننے سے) انکاری ہوگئے، آپ اس کے لئے بد دعاء فرمادیں، آپؐ نے بددعا کی بجائے ان کے حق میں دعاء فرمائی، اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:

اَللّٰھُمَّ اِھْدِ دَوْسًا وَّاْتِ بِھِمْ،	"اے اللہ دوس کو ہدایت دے، اور ان کو یہاں پہونچادے"

اس دُعا کے بعد پھر طفیل بن عامرؓ اپنی قوم کے پاس گئے، اور ان کو اللہ کی طرف بلایا، اس بار انھوں نے دعوت قبول کی، اور ستر یا اسّی گھرانے اسلام قبول کرکے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوگئے، ؎۱

قبیلۂ دوس یمن میں رہتا تھا سفر اچھا خاصا لمبا تھا، یہ لوگ اوّل تو مدینہ منورہ پہنچے، یہاں آکر معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کے ساتھ خیبر تشریف لیگئے ہیں ان لوگوں سے صبر نہ ہوسکا، اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیبر جاکر حاضر ہوگئے، جو مدینہ منورہ سے تو میل کے لگ بھگ ہے، حضرت ابوہریرہؓ بھی یمن سے آئے تھے، اور قبیلہ دوس کے ایک فرد تھے، یہ بھی خیبر جاکر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، بخاری شریف میں ہے کہ ان کے ساتھ سفر میں ایک غلام تھا، دونوں ایک دوسرے سے بھٹک گئے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے آپؐ سے بیعتِ اسلام کی، اور اپنے غلام کے گم ہوجانے کی خبر دی، ابھی آپؐ کی خدمت میں بیٹھے ہی تھے کہ اچانک غلام بھی پہنچ گیا،

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ یہ تمھارا غلام ہے، انھوں نے کہا یہ بس اللہ کے لئے ہے، یعنی میں نے اس کو آزاد کردیا، راستہ میں چونکہ بہت تکلیف پہنچی تھی، اور غلام بھی گم ہوگیا تھا، اس لئے راستہ ہی میں یہ شعر پڑھا جو مع ترجمہ اوپر مذکور ہے، مطلب اس شعر کا یہ ہے کہ یہ رات کیسی کٹھن ہے جس کی درازی بہت زیادہ ہے، یعنی بہت

؎۱ صحیح بخاری مع حاشیہ، صفحہ $\frac{۶۳۰}{۲ج}$ ، ؎۲ صحیح بخاری، صفحہ $\frac{۳۴۳}{۱ج}$ و صفحہ $\frac{۶۳۰}{۲ج}$ ،

بلی چلے جارہی ہے، کاٹے نہیں کٹتی، اور اس سفر میں مشقت اور تکلیف بھی بہت ہے، رات گو بہت کٹھن ہے مگر اسی رات نے مجھے دارالکفر سے نجات دی،

یہ شعر بظاہر حضرت ابوہریرہؓ کا معلوم ہوتا ہے، لیکن چونکہ حضرت ابوہریرہؓ شعر کہنے میں مشہور نہیں ہیں اس لئے بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ اُن کے غلام کا شعر ہے، علامہ عینیؒ شرح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں فاکہی نے لکھا کہ یہ شعر ابو مرثد غنوی کا ہے، اگر یہ درست ہے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اس موقع پر دوسرے کا شعر پڑھا تھا،

حضرت ابوہریرہؓ کا نام اسلام لانے سے پہلے کیا تھا؟ اس میں بہت اختلاف ہے، محدث حاکم رحمہ اللہ نے مختلف روایات جمع کی ہیں، جن سے حضرت ابوہریرہؓ کے متعدد ناموں کا پتہ چلتا ہے، اسلام قبول کرنے کے بعد اُن کا نام کیا تھا؟ اس میں بھی دو قول ہیں، ایک یہ کہ اُن کا نام عبداللہ تھا، دوسرا یہ کہ اُن کا نام عبدالرحمٰن تھا، امام ترمذیؒ نے اپنی سنن میں لکھا ہے کہ کسی نے ان کا نام عبد شمس بتایا ہے، اور کسی نے عبداللہ بن عمر لکھا ہے، آخری قول کو امام بخاریؒ کی طرف منسوب کیا ہے، اور پھر یہ کہا ہے کہ یہی زیادہ صحیح ہے، لیکن دیگر محدثین کا فرمانا ہے کہ اسلام میں اُن کا نام عبدالرحمٰن تھا، محدث حاکم نے خود ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ میرا نام جاہلیت میں عبد شمس بن صخر تھا، پھر اسلام میں میرا نام عبدالرحمٰن رکھا گیا،

"ابوہریرہ" کا ترجمہ ہے "چھوٹی سی بلی والا" ان کی یہ کنیت کس وجہ سے پڑی؟ اس کے بارے میں محدث حاکم نے خود اُن سے یہ نقل کیا ہے کہ میں اپنے گھر والوں کی بکریاں چرایا تھا، مجھے ایک جنگلی بلی کے بچے مل گئے، میں نے اُن کو اٹھا کر آستین میں رکھ لیا، جب گھر آیا تو ان لوگوں نے بلی کے بچوں کی آوازیں سنیں، کہنے لگے یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ بلی کے بچے مجھے ملے ہیں، اس پر انھوں نے کہا تو "ابوہریرہ" ہے، اس کے بعد سے یہ کنیت میرے ساتھ لگ گئی[1] (اور ایسی لگی کہ اصل نام تو بھول بھلیاں ہوگیا اور اس کی تعیین میں بہت سے اقوال ہوگئے اور کنیت ہی زیادہ مشہور ہوگئی)۔

---

[1] مستدرک حاکم، ص ۵۰۶ ج ۳،

سنن ترمذی میں یوں ہے کہ حضرت عبداللہ بن رافعؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ آپ کی کنیت "ابو ہریرہ" کس طرح شروع ہوئی؟ انھوں نے فرمایا کہ میں اپنے گھر والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا، اور میری ایک چھوٹی سی بلی تھی، اس کو رات کو درخت پر بٹھا دیتا تھا، اور جب دن ہوتا تھا تو میں بکریاں جنگل کی طرف لے جاتا اور بلی کو بھی ساتھ لے جاتا جس سے کھیلتا رہتا تھا، اسی وجہ سے لوگ مجھے "ابو ہریرہ" کہنے لگے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چار سال کے لگ بھگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے، سفر اور حضر میں ساتھ رہتے تھے، بھوکے پیاسے اصحاب صُفّہ کے چبوترے پر پڑے رہتے تھے، اور مقصود صرف یہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یاد کریں، کوئی دوسرا شغل مال کمانے کا بلکہ معمولی روزی حاصل کرنے کا بھی اختیار نہیں کیا، سخت بھوک میں بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا در چھوڑ کر کمانے کی طرف توجہ نہ کی اسی وجہ سے صحابہؓ میں سب سے بڑے حافظِ حدیث اور راوی حدیث ہوئے اُن کی روایات سب سے زیادہ ہیں، حدیث کی کسی بھی کتاب کا کوئی بھی صفحہ کھولو تو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی روایت کی ہوئی کوئی نہ کوئی حدیث ضرور ملے گی، شاذ و نادر ہی اس کے خلاف ہوگا ان کی روایت کی ہوئی حدیثوں کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ہیں جس کو اس شعر میں اس طرح واضح کیا گیا ہے ؎

کن حدیث بو ہریرہ را شمار ٭ پنج الف و سہ صد و ہفتاد و چار

بہت سے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اُن سے روایت کی ہے، محدث حاکم نے اٹھائیس صحابہ کرامؓ کے اسماء گرامی لکھے ہیں، جنھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث کی روایت کی ہے، حضرت امام بخاریؒ کا قول ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والوں کی تعداد آٹھ سو سے زیادہ ہے، جن میں صحابہ بھی ہیں اور تابعین بھی۔ [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالکل بے تکلف اور بے دھڑک احادیث بیان کرتے

---

[1] سنن ترمذی مناقب ابی ہریرہؓ ۱۲   [2] الاکمال لصاحب المشکوٰۃ ۱۲

چلے جاتے تھے، بعض مرتبہ کچھ لوگوں کو تردد ہوا کہ یہ اس قدر روایات بیان کرتے ہیں، حالانکہ اتنے پرانے صحابی نہیں ہیں، حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا پتہ چلا تو فرمایا کہ "تم کہتے ہو ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت روایات بیان کردیں، حالانکہ سب کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے، (وہاں سب کا جھوٹ سچ ظاہر ہو جائے گا) بھلا مجھے غلط بات کہنے اور جھوٹی روایت بیان کرنے سے کیا نفع ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ بلاشبہ میرے مہاجر بھائی بازاروں میں مشغول رہتے تھے، (اور کاروبار کرنے کی وجہ سے ہر وقت بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہونے کا ان کو موقع نہیں ملتا تھا) اور میرے انصاری بھائی اپنے مالوں سے متعلقہ کاموں میں لگے رہتے تھے[1] (ان کو بھی ہمہ وقت حاضری کا موقعہ نہ ملتا تھا) اور میں ایک مسکین آدمی تھا، ہر وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتا تھا، میری حاجت صرف اتنی سی تھی کہ پیٹ بھر جائے، (لہذا ہر وقت کی حاضری کی وجہ سے میں نے بہت زیادہ حالات کا مشاہدہ کیا، اور بہت زیادہ ارشادات سنے) اور ایک دن ایسا ہوا کہ آنحضرت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ایک بات کہنے والا ہوں تم میں سے جو شخص بھی اپنا کپڑا بچھادے اور میری بات ختم ہونے تک بچھائے رکھے، پھر اپنے اس کپڑے کو اپنے سینے سے لگالے، تو اس کے بعد میری باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں بھولیگا آپؐ کے ارشاد پر میں نے ایک چادر بچھادی، اس وقت میرے بدن پر اُس کے سوا اور کوئی کپڑا نہ تھا، آپؐ کی بات ختم ہونے تک میں نے وہ چادر بچھائے رکھی، پھر اُس کو اپنے سینہ سے لگالی، پس قسم ہے اُس ذات کی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے، میں آپکے اس ارشاد کے سبب آج تک آپؐ کی باتوں میں سے کچھ بھی نہیں بھولا۔[2]

یہ واقعہ بتاکر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کثیر الروایہ ہونے کا سبب بتادیا اور ساتھ قوی الحفظ ہونے کی وجہ بھی بتادی،

---

[1] حضرات انصارؓ کی مشغولیتیں کھیتی باڑی سے متعلق تھیں، جیسا کہ صحیح مسلم میں اس کی تصریح ہے ۱۲

[2] مشکوٰۃ المصابیح، ص ۵۲۵ از بخاری و مسلم باب فی المعجزات ۱۲

ایک شخص نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ یہ تو ارشاد فرمائیے کہ یہ یمن کا رہنے والا آدمی (ابو ہریرہؓ) کیا آپ حضرات سے زیادہ حدیثیں جانتا ہے ؟ (ہم اس سے بہت سی ایسی روایات سنتے ہیں جو آپ حضرات سے نہیں سنتے، خدانخواستہ) ایسا تو نہیں کہ یہ شخص وہ باتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتا ہو جو آپؐ نے نہ فرمائی ہوں۔

یہ سُنکر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابو ہریرہؓ نے آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کچھ وہ سُنا جو ہم نے نہیں سُنا، اور اُن کے علم میں وہ چیزیں آئیں جو ہمارے علم میں نہ آئیں، ہم لوگ مالدار تھے، اور گھر بار والے تھے صبح شام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، پھر واپس آجاتے تھے، رہے ابو ہریرہؓ، تو وہ مسکین آدمی تھے، نہ اُن کے پاس کچھ تھا، اور نہ اہل و عیال والے تھے، ان کا ہاتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کے ساتھ تھا، (یعنی آپؐ کھانا تناول فرماتے تو ابو ہریرہؓ کو بھی مل جاتا تھا)، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (سفر و حضر میں) جہاں تشریف لے جاتے یہ بھی ساتھ ہو لیتے تھے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کو وہ علوم حاصل ہوئے جو ہم کو حاصل نہ ہو سکے، اور انھوں نے وہ باتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنیں جو ہم نے نہیں سُنیں، اُن کو ہم میں سے کسی نے تہمت نہیں لگائی، کہ (خدانخواستہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ نہ فرمایا وہ ابو ہریرہؓ نے آپؐ کی طرف نسبت کر دی ہو۔[1]

ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ ابو ہریرہؓ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہیں، (خدانخواستہ اس میں کوئی شک کی بات تو نہیں ہے ؟)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی پناہ، تو اس میں مت پڑ، کہ ابو ہریرہؓ جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ حدیث نبوی ہے یا نہیں ؟ بات یہ ہو کہ وہ (اپنے حافظہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے) بیان کرنے میں بہت جری ہیں، اور ہم لوگ جرأت نہیں کرتے۔[2]

---

[1] مستدرک حاکم، ص ۵۱۲، ج ۳، ذکر ابی ہریرۃ الدوسیؓ، واخرج نحوہ الترمذی، ۱۲
[2] مستدرک، ص ۵۱۰، ج ۳،

حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ ابو ہریرہؓ سوال کرنے میں جری تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ چیزیں پوچھ لیتے جو ہم نہیں پوچھ سکتے تھے۔[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کہا کہ آپ ہم میں سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگے رہنے والے اور آپؐ کے ارشادات نبویہؐ کو ہم میں سب سے زیادہ یاد رکھنے والے ہیں۔[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھوکا رہنے کے بہت واقعات ہیں، جو حدیث کی کتابوں میں ملتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنا وہ وقت یاد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کے درمیان بیہوشی کی حالت میں گرجاتا تھا، آنے والے اپنا پاؤں میری گردن پر رکھدیتے تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ مجھے مرگی ہے (اس زمانہ میں گردن پر پاؤں رکھنا مرگی کا علاج سمجھا جاتا تھا) حالانکہ میں صرف بھوک کی تکلیف سے غشی میں ہوتا تھا۔[3]

ایک مرتبہ کا واقعہ ذکر فرماتے تھے کہ میں نے تین دن تک کچھ نہ کھایا، صفہ کے پاس آنا چاہتا تھا تو گر پڑتا تھا، لڑکے میرا یہ حال دیکھکر کہنے لگے کہ ابو ہریرہؓ دیوانے ہوگئے، میں نے کہا میں دیوانہ نہیں ہوں، تم دیوانے ہو۔[4]

بات یہ ہے کہ جس چیز کی بھی کسی کو دھن ہوجائے اس کو اپنی آرزو کی تکمیل میں بہت بہت تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں، حقیر دنیا کے لئے لوگ کیا کیا کرتے ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دھن کیسی مبارک تھی، اللہ جل شانہ نے آن کو یہی دھن لگادی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوں، اور آپؐ کے ارشادات یاد کرتا رہوں، یہی دل کی حسرت تھی، اور یہی آرزو تھی، بہت تکلیف اٹھائی، تب ہی تو سب صحابہؓ سے بڑھ کر

---

[1] مستدرک، ص ۵۱۰ ج ۳ [2] سنن ترمذی مناقب ابی ہریرۃؓ، ۱۲

[3] اخرجہ الترمذی وصححہ، ۱۲

[4] قال المنذری فی الترغیب رواہ ابن حبان فی صحیحہ ۱۲

حافظِ حدیث ہوئے اور راویِ حدیث ہوئے،

صحیح مسلم میں حضرت یحییٰ ابن ابی کثیر کا قول نقل کیا ہے کہ:۔

لَا یُسْتَطَاعُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجِسْمِ[1] "یعنی جسم کی راحت کے ساتھ علم حاصل نہیں کیا جا سکتا"

درحقیقت حضرت یحییٰ بن ابی کثیر نے سچ فرمایا، آجکل کے طلبہ اس سے عبرت لیں،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، اس وقت اُن کی عمر ۷۸ سال تھی، اُن کے سنہ وفات کے بارے میں اور بھی اقوال ہیں[2]

هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتِ ﴿۱۷﴾ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا لَقِيتِ

ترجمہ: "تو ہے کیا ایک انگلی کے سوا جو زخمی ہو گئی، اور اللہ کی راہ میں ہے یہ زخم جو تجھے پہونچا" (صحیح بخاری، ص ۳۹۳ ج ۱ باب من ینکب او یطعن فی سبیل اللہ وص ۹۰۸ ج ۲ باب ما یجوز من الرجز والشعر)

شرح ایک مرتبہ کسی جہاد کے موقع پر آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک انگلی میں زخم آگیا تھا، آپ نے اس موقع پر یہ شعر پڑھا،

حاشیہ بخاری میں کرمانی اور الخیر الجاری سے نقل کیا ہے کہ انگلی مبارک میں جب درد محسوس ہوا تو آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو ایک انگلی ہی تو ہے، تجھے کوئی بڑی تکلیف نہیں پہنچی، تو ہلاک نہیں ہوئی کاٹی نہیں گئی، ذرا سی تکلیف ہی، صبر کر، اوّل تو تکلیف ہی تھوڑی سی ہے، پھر جو کچھ تکلیف ہے اللہ کے راستہ میں پیش آئی ہے، جس کا بہت بڑا اجر و ثواب ملے گا، بہرحال صبر لازم ہے،

یہ کلام آپؐ نے بطور استعارہ فرمایا، کہ مقصود اپنے نفس سے خطاب کرنا تھا، لیکن مخاطب انگلی کو بنا دیا، کیونکہ تکلیف اسی میں محسوس ہو رہی تھی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ

---

[1] صحیح مسلم، ص ۲۲۳ ج ۱ (باب اوقات الصلوٰۃ الخمس) ۱۲ [2] از مستدرک ۱۲

بطور معجزہ انگلی سے حقیقۃً کلام اور خطاب ہوا ہو جس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ جل شانہٗ نے انگلی کو لائق خطاب بنا دیا، اور اس کو فہم ادراک سے نواز دیا، واللہ اعلم،

شعر گوئی کے قصد کے بغیر یہ شعر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکل گیا، یا یہ کسی دوسرے شخص کا شعر ہے، جو آپؐ نے اس موقع پر پڑھا، اس میں دونوں رائیں ہیں، لیکن ابن ابی الدنیا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، جو غزوۂ موتہ کے وقت انھوں نے پڑھا تھا،

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ۸ھ میں ایک جماعت شام میں جہاد کرنے کے لئے بھیجی تھی، جس کا مقابلہ دشمنوں سے مقام موتہ میں ہوا، یہ جگہ بلقاء سے قریب تھی، اس جماعت کا امیر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ کو بنا دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالبؓ امیر ہوں گے، اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ امیر ہوں گے،

چنانچہ اسی ترتیب سے یہ حضرات جھنڈا لیتے رہے، اور تینوں اپنے اپنے نمبر پر شہید ہوئے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا لیا، اور اللہ پاک نے فتح نصیب فرمائی، جب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا لیا تو مذکورہ بالا اشعار اور اس کے ساتھ مزید دو شعر پڑھے، جو ذیل میں درج ہیں،

هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتِ ؛ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا لَقِيتِ

"نہیں ہے تو مگر ایک انگلی جو زخمی ہوگئی، اور اللہ کی راہ میں ہے وہ زخم جو تجھے پہنچ گیا،"

يَا نَفْسُ إِنْ لَا تُقْتَلِي تَمُوتِي ؛ هٰذِي حِيَاضُ الْمَوْتِ قَدْ صَلِيتِ

"اے نفس! اگر تو مقتول نہ ہوا (اپنی موت ضرور) مرے گا، یہ موت کے حوض ہیں، جن میں تو داخل ہو چکا ہے"

وَمَا تَمَنَّيْتِ فَقَدْ لَقِيتِ ؛ إِنْ تَفْعَلِي فِعْلَهُمَا هُدِيتِ

"اور تو نے جو (شہادت کی) آرزو کی تھی اس کو پا لیا (یعنی اس کا موقع آگیا) اگر تو ان دونوں (یعنی زیدؓ، جعفرؓ) جیسا کام کرے (یعنی راہ خدا میں جان دیدے) تو ہدایت پائے گا،"

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر جس میں انگلی سے خطاب کیا گیا ہے حضرت ولید بن الولید یا عباس بن ربیعہ کا ہے، اگر ایسا ہو تو ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اُن کے ایک شعر کے ساتھ اپنے دو شعر ملا کر نفس کو خطاب کیا ہو، واللہ اعلم۔

(فتح الباری باب ما یجوز من الشعر والرجز)

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃ ⑱ فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃ

ترجمہ: "اے اللہ زندگی بس آخرت ہی کی زندگی ہے، پس تو بخش دے مہاجرین کو اور انصار کو"

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا ⑲ عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

ترجمہ: "ہم ہیں جنھوں نے بیعت کی ہے محمد علیہ السلام سے جب تک کہ ہم زندہ ہیں ہمیشہ جہاد کریں گے" (بخاری، ص ۳۹۷ ج ۱ باب التحریض علی القتال، و ص ۳۹۸ ج ۱، و ص ۴۱۵ ج ۱ و ص ۵۸۸ ج ۲ و ص ۱۰۶۹ ج ۲)

شرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر مہاجرین جب مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگئے، تو یہاں بھی مشرکین مکہ نے چین نہ لینے دیا، بدر اور اُحد کی جنگ کے بعد غزوۂ خندق پیش آیا، بات یہ تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے قبیلہ بنی نضیر کو مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا، یہ لوگ خیبر جا کر آباد ہو گئے تھے، ان کے چند سردار مشرکین مکہ کے پاس گئے، اور اُن کو ابھارا کہ مدینہ منورہ پر حملہ کرو، ہم تمہارا ساتھ دیں گے، اسی طرح قبیلہ غطفان کو بھی آمادہ کیا، اور بنو اسد اور یہود کا قبیلہ بنو قریظہ بھی اُن کے ساتھ ہو گیا، جو اب تک مدینہ میں رہتا تھا، ان سب نے یہ مشورہ کیا کہ مدینہ پر چڑھائی کرکے سب مسلمانوں کو ختم کر دیا جائے، تاکہ اُن میں سے کوئی فرد بھی نہ بچے، اور ان کا دین ختم ہو جائے۔

یہ واقعہ ۴ھ یا ۵ھ کا ہے، امام بخاری نے اول کو اور ابن اسحاق نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے، اور فتح الباری میں دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، چونکہ ہر طرف سے مختلف جماعتیں چڑھ کر آئی تھیں، اور سب جنگ میں شریک ہونے کے خیال سے آئے تھے، اس لئے

اس کو "غزوۂ احزاب" بھی کہتے ہیں، احزاب حزب کی جمع ہے، "غزوۂ احزاب" کا ترجمہ ہے بہت سی جماعتوں کی جنگ، اور اس کو "غزوۂ خندق" اس لئے کہتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات مہاجرین وانصار سے دفاع کے سلسلہ میں مشورہ کیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اہل فارس کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب دشمن کے گھر آنے کا اندیشہ ہو تو ایک خندق کھود لیتے ہیں، تاکہ دشمن پار کر کے نہ آسکیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ مشورہ پسند آیا اور خندق کھودنے کا حکم دیا، نوکر چاکر اور غلام تو تھے نہیں جن سے کام لیتے، حضرات مہاجرین وانصار سب ہی کھودنے میں مشغول تھے، خود سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی بنفسِ نفیس خندق کھودنے میں شریک تھے، یہ سردی کا زمانہ تھا، اور کھانے پینے کا بھی خاص انتظام نہ تھا، تھوڑے سے جَو بدبو والی چربی میں پکا کر سامنے رکھ دیئے جاتے تھے، وہی کھا لیتے تھے جس کا حلق سے اترنا دشوار ہوتا تھا، ہر دس افراد کو چالیس[1] ہاتھ خندق کھودنے کو دی گئی تھی، حضرت سلمان فارسیؓ قوی اور مضبوط آدمی تھے، اُن کے بارے میں انصار کہنے لگے کہ ہمارے ساتھ مل کر کھودیں، اور مہاجر کہنے لگے کہ ہمارے ساتھ مل کر کھودیں، ہر فریق کہتا تھا کہ سلمانؓ ہم میں سے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلمانؓ ہمارے گھر والوں میں سے ہیں[2]، خندق کھودتے وقت ایک ایسی سخت جگہ آئی کہ کسی سے بھی وہاں کھدائی نہ ہوسکی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا، تو آپؐ نے فرمایا میں اندر اترتا ہوں، آپ نے اُتر کر جو کدال مارا تو وہ سخت حصہ ریت کا ڈھیر بن کر رہ گیا، اس وقت آپؐ کے شکمِ مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا، اور تین روز سے کسی نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا[3]،

بعض روایات میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین بار بسم اللہ پڑھ کر

---

[1] جمع الفوائد میں طبرانی سے یہی نقل کیا ہے کہ ہر دس افراد کو چالیس ہاتھ کھودنے کو دی گئی تھی، لیکن فتح الباری میں ہے کہ ہر دس افراد کو دس ہاتھ کھودنے کو دی گئی تھی، واللعلم عند اللہ، ۱۲

[2] از بخاری و جمع الفوائد و فتح الباری ۱۲ [3] صحیح بخاری ۱۲

کدال مارا، اور ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خندق میں کدال مارا، پھر یہ پڑھا ؎

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِهٖ بَدَيْنَا ؛ وَلَوْعَبَدْنَا غَيْرَهٗ شَقِيْنَا
فَحَبَّذَا رَبًّا وَّحَبَّ دِيْنًا

"ہم نے اللہ کے نام اور اس کی مدد سے ابتداء کی اور اگر ہم اس کے علاوہ کسی کی عبادت کریں تو بدبخت ہوجائیں، پس بہت ہی اچھا رب ہے اور بہت ہی اچھا دین ہے"

احمد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خندق کھودنے کا حکم فرمایا تو (کھودتے ہوئے) خندق کے ایک حصہ میں ایک ایسا پتھر آگیا جس میں کدال کام نہیں کرتے تھے، (اور ایک روایت میں ہے کہ سفید پتھر پیش آگیا جس نے ہمارے کدال توڑ دیئے، لہٰذا ہم نے سوچا کہ اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جائیں، لیکن پھر خیال آیا کہ بارگاہِ رسالت میں عرض کرنا چاہیے) لہٰذا ہم نے بارگاہِ رسالت میں (بواسطہ حضرت سلمانؓ) اس کے بارے میں عرض کیا، آپ نے بسم اللہ پڑھکر کدال مارا تو اس میں سے روشنی چمکی، اور وہ پتھر ⅓ ٹوٹ گیا، آپ نے اللہ اکبر کہا اور مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کہا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے ملکِ شام کی کنجیاں دیدی گئیں، اللہ کی قسم! میں اس کے سرخ محل اسی وقت دیکھ رہا ہوں مجھے جبرئیلؑ نے خبر دی ہے کہ ملکِ شام پر میری امت کا غلبہ ہوگا،

پھر آپ نے دوسری بار کدال مارا تو وہ پتھر مزید ⅓ ٹوٹ گیا، آپ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ مجھے ملکِ فارس کی کنجیاں دیدی گئیں، اللہ کی قسم! میں مدائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں

پھر تیسری بار کدال مارا تو باقی ⅓ پتھر بھی ٹوٹ گیا، آپ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ مجھے ملکِ یمن کی کنجیاں دیدی گئیں، اللہ کی قسم! میں ابھی صنعاء شہر کے دروازے اسی وقت اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں، [1]

---

[1] فتح الباری ۱۲

آپؐ کو کنجیاں دیے جانے کا مطلب یہی تھا کہ آپؐ کی اُمت اُن شہروں اور ملکوں کو فتح کرے گی اور وہاں کے خزانے ان کے ہاتھ آئیں گے، والحمد للہ کہ پیشگوئی پوری ہوئی، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں مرتبہ کدال مارنے سے آگ کا شرارہ نکلا، اور آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اس کی روشنی میں فارس اور روم و شام کے محل نظر آئے، اسی پیشین گوئی کے بارے میں منافقین نے کہا تھا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے بس دھوکہ ہی کا وعدہ کر رکھا ہے۔[۱]

جس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خندق میں اُتر کر وہ پتھر توڑا جو کسی سے نہ ٹوٹ سکا اس وقت بھوک کا یہ عالم تھا کہ تین دن سے آپؐ نے اور آپؐ کے ساتھیوں نے کچھ نہ کھایا پیا تھا، حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہاں موجود تھے، اُن سے بھوک کی یہ حالت دیکھ کر نہ رہا گیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اجازت لے کر گھر گئے، بیوی سے کہا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سخت بھوک کی حالت میں دیکھا کہ تیرے پاس کچھ ہے! یہ سن کر بیوی نے ایک تھیلی نکالی جس میں ایک صاع (ساڑھے تین سیر) جو تھے، اور گھر میں بکری کا ایک بچہ تھا، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری بیوی نے جو پیسے اور میں نے وہ بچہ ذبح کیا، اور بوٹیاں کر کے تین پتھروں کا چولہا بنا کر ہانڈی میں چڑھا دیا جب بوٹیاں گلنے کے قریب ہو گئیں، اور آٹا گوندھے جانے کے بعد پکنے کے لائق ہو گیا، تو میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلا، بیوی نے کہا کہ کہیں ایسا مت کرنا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپؐ کے (سب یا اکثر) ساتھیوں کو لے کر آؤ، اور (کھانا کم پڑنے کی وجہ سے) میری رسوائی کراؤ،

میں بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوا، اور چپکے سے عرض کیا، کہ یا رسول اللہؐ ہم نے تھوڑا سا کھانا تیار کر رکھا ہے، آپؐ اور آپؐ کے ساتھ چند آدمی چلے چلیں، آپؐ نے فرمایا کتنا کھانا ہے؟ میں نے پوری صورتِ حال عرض کر دی، آپؐ نے فرمایا (یہ تو) بہت ہے، (اور) فرمایا کہ بیوی سے جا کر کہہ دو جب تک میں نہ آؤں ہانڈی کو چولھے سے نہ اُتارے اور روٹی پکانا شروع

---

[۱] بیان القرآن ۱۲

نہ کرے، ساتھ ہی آپؐ نے اعلان فرمایا کہ اے خندق والو جلدی سے چلو، جابر نے کھانا تیار کیا ہے، میں جلدی جلدی (سب سے آگے) گھر کی طرف چلا، اور بیوی سے کہا کہ وہ تو تمام حضرات مہاجرین وانصار اور ان کے علاوہ دوسرے مسلمان سب ہی آگئے، اوّل تو بیوی بہت بگڑی، اور اُلٹا سیدھا کہا، پھر جب میں نے کہا کہ تو نے جو بات کہی تھی (کہ کھانا تھوڑا سا ہے) وہ میں نے آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کر دی تھی، اس پر وہ کہنے لگی اللہ اور اس کا رسولؐ ہی خوب جانتے ہیں، ہم نے تو بتا دیا جو کچھ ہمارے پاس ہے،

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری بیوی نے ایسی بات کہدی جس سے میری بہت بڑی پریشانی دور ہوگئی (کیونکہ اس نے مجھے سمجھا دیا کہ جب ہم نے بتا دیا کہ تھوڑا سا کھانا ہے، اور پھر بھی آپؐ سب کو ساتھ لے آئے تو آپؐ جانیں، ہمیں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے، بارہا تھوڑے کھانے میں بہت برکت ہوئی ہے آج بھی ہو سکتی ہے)۔

بیوی سے باتیں ہو ہی رہی تھیں آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ تشریف لے آئے، آپؐ آگے آگے چل رہے تھے، اور باقی حضرات پیچھے پیچھے آرہے تھے، آپؐ نے فرمایا کہ داخل ہو جاؤ، اور آپس میں تنگی نہ کرو، میری بیوی نے آپؐ کی خدمت میں آٹا پیش کر دیا، آپؐ نے اُس میں لُعابِ مبارک ڈال دیا، اور برکت کی دُعا کی، پھر ہانڈی کی طرف توجہ فرمائی، اور اُس میں بھی لُعابِ مبارک ڈال دیا، اور برکت کی دعا کی، پھر فرمایا کہ تو اپنے ساتھ روٹی پکانے کے لئے ایک اور پکانے والی بُلا لے،

چنانچہ روٹی پکنی شروع ہوئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روٹی توڑ توڑ کر اور اس پر گوشت رکھ رکھ کر اپنے صحابہؓ کو دیتے رہے، جب ہانڈی سے سالن اور تنور سے روٹی لیتے تھے تو اُسی وقت ڈھانک دیتے تھے، بس آپؐ برابر روٹی توڑ توڑ کر اور سالن بھر بھر کر دیتے رہے، یہاں تک کہ سب نے سیر ہو کر کھا لیا، اور بہت کھانا بچ گیا، آپؐ نے (میری بیوی سے) فرمایا کہ اس کو کھاؤ اور (پڑوسیوں کو) ہدیہ بھیج دو، کیونکہ لوگ بھوک سے دوچار ہیں،

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، کہ ایک ہزار افراد کھا کر تشریف لے گئے، اور ہماری ہانڈی اُسی طرح جوش مار رہی تھی،

جیسا کہ شروع میں تھی، اور ہمارا آٹا اسی طرح پکایا جارہا تھا جیسا کہ شروع میں تھا[1] (یعنی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس میں سے کچھ خرچ نہیں ہوا)

اول تو سردی کا موسم پھر بھوک و پیاس سے دوچار اور اوپر سے سنگلاخ زمین کا کھودنا بڑا سخت مرحلہ تھا، مگر اس موقع پر بڑے صبر وضبط کے ساتھ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خندق کھودنے میں لگے ہوئے تھے، اس موقع پر ان کی محنت ومشقت اور بھوک کی حالت کو دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ پڑھتے تھے،

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ ؎ فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃِ

"اے اللہ بلاشبہ زندگی بس آخرت ہی کی ہے پس تو بخشدے انصار اور مہاجرین کو"

اس شعر کے پڑھنے سے مقصود یہ تھا کہ حضرات صحابہؓ چند روزہ تکلیف کی وجہ سے بددل نہ ہوں اور آخرت کی کامیابی کو سامنے رکھ کر کام کرتے رہیں، اور اللہ پاک کی رحمت ومغفرت کے امیدوار رہیں، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اوپر والا شعر پڑھتے تو حضرات انصار و مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے جواب میں یہ پڑھتے تھے ؎

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا ؎ عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

"ہم ہیں جنھوں نے بیعت کی ہے، محمد علیہ السلام سے کہ جب تک ہم زندہ ہیں ہمیشہ جہاد کریں گے"

حضرات صحابہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ شعر سن کر اس کے جواب میں بار بار اپنے مؤمن اور مجاہد ہونے کا اعلان کرتے تھے، اور ظاہر کرتے تھے کہ یہ بات نہیں ہے، کہ صرف اسی وقت ہم دشمنوں کے دفاع اور ان سے جنگ کے لئے تیار ہیں بلکہ عمر بھر ہمیشہ جہاد کریں گے، اسلام قبول کر کے ہم ہمیشہ اسلام کی بقاء اور احیاء کے لئے جہاد کرنے پر مضبوط ارادوں اور عزم محکم کے ساتھ تیار ہیں،

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے

---

[1] صحیح بخاری باب غزوۃ الخندق مع شرح فتح الباری ۱۲

مذکورہ بالا شعر پڑھتے تھے، پھر اُس کے جواب میں حضرات صحابہؓ نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا الخ پڑھتے تھے، لیکن اُن کی دوسری روایت میں ہے کہ حضرات مہاجرین اور انصار مدینہ منورہ کے گرد خندق کھود رہے تھے اور اپنی کمروں پر مٹی ڈھو رہے تھے اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے ؎

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا ٭ عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن کے جواب میں یہ فرماتے تھے ؎

اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَةِ ٭ فَبَارِكْ فِی الْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ

"اے اللہ بے شک بات یہی ہے کہ کوئی چیز نہیں سوائے آخرت کی خیر کے، پس تو برکت فرمادے مہاجرین میں اور انصار میں" (بخاری، ص ۸ ۳۹ ج ۱)

درحقیقت یہ کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ طرفین سے جواب اور جواب الجواب میں شعر پڑھے جارہے تھے اور برابر عمل جاری تھا، اس لئے یہ کہنا بھی درست ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کے جواب میں پڑھا، اور یہ بھی درست ہے کہ حضرات صحابہؓ نے آپؐ کے جواب میں پڑھا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَةِ فرماتے اور کبھی لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَةِ فرماتے تھے، اسی طرح دوسرے مصرع کے شروع میں کبھی فَاغْفِرْ فرمایا اور کبھی فَبَارِكْ فرمایا،

اسی طرح بعض نسخوں میں ہے کہ حضرات صحابہؓ کے شعر نَحْنُ الَّذِیْنَ الخ کے دوسرے مصرع میں بجائے عَلَی الْجِهَاد کے عَلَی الْاِسْلَام وارد ہوا ہے، ہوسکتا ہے کہ حضرات صحابہؓ نے کبھی یہ کہا ہو اور کبھی وہ کہا ہو، اور رُواۃ کی یادداشت کا اختلاف بھی ہوسکتا ہے،

خندق کھودتے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مذکورہ شعر کے علاوہ دوسرے اشعار پڑھنا بھی مروی ہے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر میں نے دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خندق کھود رہے ہیں اور آپؐ کا شکم انور مٹی سے اٹا ہوا ہے، اور آپؐ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ اشعار پڑھ رہے ہیں ؎

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا ﴿٢٠﴾ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا ﴿٢١﴾ وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَيْنَا
اِنَّ الْاُوْلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا ﴿٢٢﴾ اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

ترجمہ (۱) "اے اللہ اگر آپ ہدایت نہ دیتے تو ہم ہدایت نہ پاتے، اور نہ صدقہ دیتے، نہ نماز پڑھتے"

(۲) "پس آپ ہم پر سکینہ (یعنی قلبی سکون واطمینان) نازل فرمائیے، اور قدموں کو ثابت رکھیے، اگر (دشمن سے) ہماری مڈبھیڑ ہوجائے"

(۳) "بلاشبہ ان لوگوں (یعنی دشمنوں) نے ہم پر ظلم کیا ہے، جب یہ لوگ فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے" (آخری لفظ کو زیادہ بلند آواز سے بار بار فرماتے تھے، اَبَیْنَا اَبَیْنَا)

(صحیح بخاری، ص ۳۹۸ ج ۱، باب حفر الخندق، و ص ۴۲۵ ج ۱ و ص ۵۸۹ ج ۲ و ص ۱۰۷۱ ج ۲)

شرح یہ مسلسل تین شعر ہیں، پہلے شعر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لطیف انداز میں حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خدائے پاک کے شکر کی طرف متوجہ فرمایا، اور بتایا کہ ہدایت اللہ جل شانہٗ کا فضل وانعام ہے، وہ ہدایت نہ دے تو کوئی ہدایت نہیں پاسکتا، اللہ پاک کی مہربانی نہ ہو تو نہ کوئی مؤمن ہوسکتا ہے نہ صدقہ دے سکتا ہے نہ نماز پڑھ سکتا ہے، اس موقعہ پر اس مضمون کا احساس دلانا اس لئے ضروری تھا کہ حضرات صحابہؓ جو محنت اور مشقت مجاہدہ میں مبتلا تھے، اُن میں سے کسی کے دل میں یہ وسوسہ جگہ نہ پکڑلے کہ ہم دُکھ تکلیف میں جو اسلام کی خدمت انجام دے رہے ہیں اسلام پر کوئی احسان کر رہے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ ایمان کی ہدایت اور اس کے بعد دیگر اعمال کی ادائیگی یہ سب اللہ جل شانہٗ کا فضل وانعام ہے، کوئی شخص ایمان قبول کرنے یا اس کے بعد اعمال اور مجاہدات میں لگنے کی وجہ سے خداوند قدوس پر یا اس کے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کسی طرح کا احسان نہ دھرے، بلکہ اللہ جل شانہٗ کا احسان مانے کہ اس نے ہدایت دی، اور اعمال کی توفیق سے نوازا، اہل جنت جنت میں داخل ہوکر پہلے

یوں کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ ،	"سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم کو اس مقام پر پہنچایا اور ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتے"

دیہات کے کچھ لوگ اسلام قبول کرنے پر اپنے مسلمان ہونے کا احسان دھرنے لگے، قرآن پاک میں ان لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:۔

یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۞ (سورۂ حجرات)	"یہ لوگ اپنے ایمان لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں آپ کہدیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو، بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی بشرطیکہ تم سچے ہو"

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے دو شعروں میں اس نصیحت کو منظوم کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

شکر خدائے کن کہ موفق شدی بخیر ؛ انعام و فضل او معطل نہ گزاشتت

"خدا کا شکر کر کہ تجھے بھلائی کی توفیق ہو گئی ہے، اپنے فضل و انعام سے تجھے محروم نہ رکھا"

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی ؛ منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

"یہ احسان مت کر کہ تو بادشاہ کی خدمت کرتا ہے، بلکہ اس کا احسان مان کہ اس نے تجھے خدمت میں رکھ لیا"

دوسرے اور تیسرے شعر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ پاک سے دعا کی کہ جب آپ نے ہم کو ایمان سے اور اعمالِ صالحہ سے نواز دیا تو ہماری مدد بھی فرما، دشمن ہم پر چڑھ کر آگئے ہیں، انھوں نے ہم پر ظلم کیا ہے، اے اللہ ہم کو اطمینان اور سکونِ قلب عطا فرما، اور جنگ کی نوبت آجائے تو ہم کو ثابت قدم رکھنا، اگر انھوں نے ہم کو فتنہ میں ڈالنا چاہا یعنی یہ کوشش کی کہ ایمان سے ہٹا دیں اور شرک میں مبتلا کر دیں تو ہرگز قبول نہ کریں گے، مر یں گے کٹیں گے، مگر ایمان نہ جانے دیں گے، اَبَیْنَا کو بار بار پڑھنا اسی لئے تھا کہ کفر و شرک سے

بار بار بیزاری کا اعلان ہوتا رہے،

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ مل کر خندق تیار کرلی تھی، جس میں کافی دن لگے، ان ایام کی تعداد میں چار قول فتح الباری میں نقل کئے، پندرہ دن، بیس دن، چوبیس دن اور ایک ماہ، یہ سب مختلف اقوال ہیں، اب جو دشمن آئے تو دیکھا کہ خندق کھودی ہوئی ہے، وہ اُسے پار کرکے مسلمانوں تک نہ جاسکے، اِس پار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ تھے، جو تعداد میں چار ہزار تھے، اور اُس پار دشمنان اسلام تھے، جن کی تعداد دس ہزار تھی، بیس دن آمنا سامنا رہا، دست بدست جنگ کی نوبت نہیں آئی، البتہ طرفین سے تیراندازی ہوتی رہی، اور تیر پھینکے جاتے رہے،

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک ہاتھ کی رگ میں تیر آ کر لگا جس سے چند دن کے بعد اُن کی وفات ہوگئی، اس کا قصہ انشاء اللہ تعالیٰ قتل بنو قریظہ کے ذکر میں آئے گا ایک موقع پر دشمنوں کے چند سوار خندق کی تنگ جگہ کو پار کرکے مسلمانوں کی طرف آگئے اُن میں سے ایک کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور ایک کو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کردیا، اور باقی سوار ناکامی کے ساتھ واپس ہوگئے، (فتح الباری)

اور ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس قلعہ میں عورتوں اور بچوں کو محفوظ فرمادیا تھا، وہاں ایک کافر پہنچ گیا، عورتوں کو ہدایت فرمادی تھی کہ کوئی کافر تمہارے قلعہ میں اُتر کر آنے لگے تو تلوار چمکا دینا، چنانچہ ہدایت کے مطابق خواتین نے ایسا ہی کیا، تلوار کی چمک پر حضرات صحابہؓ کی نظر پڑگئی، اُس کو دیکھ کر چند صحابہ لپکے، اور اس کافر کی گردن کاٹ کر اس کا سر بارگاہِ رسالتؐ میں پیش کردیا، (جمع الفوائد)

اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہانے (جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں) اس موقع پر ایک یہودی کو قتل کیا، جس قلعہ میں حضرت صفیہؓ دوسری عورتوں اور بچوں کے ساتھ موجود تھیں اُس کے آس پاس ایک یہودی چکر لگانے لگا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہانے ایک موٹی سی لکڑی لی اور قلعہ سے اُتر کر اُس یہودی کو قتل کردیا

بیس دن کا جو کافروں کی جماعتوں سے آمنا سامنا رہا مسلمانوں کے لئے یہ بہت سخت دن تھے، ان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی چند نمازیں بھی قضا ہوگئیں، عصر کی نماز قضا ہوئی تو آپؐ نے دشمنوں کے حق میں بددُعا کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

مَلَأَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا كَمَا شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى،	"اللہ اُن کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے (جبکہ یہ اُن میں موجود ہوں) جیسا انھوں نے ہم کو صلوٰۃ وسطیٰ سے ہٹا کر مشغول کر دیا"

اس موقع پر مسلمانوں کے دلوں میں کچھ وسوسے آنے لگے تھے، اور منافقین تو واضح لفظوں میں کہہ رہے تھے کہ اللہ ورسولؐ نے جو ہم سے وعدہ کیا وہ دھوکہ ہے، اس سخت موقع کو قرآن مجید میں ان الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے:۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا	"اس موقع پر مسلمانوں کا امتحان کیا گیا اور سخت زلزلہ میں ڈالے گئے"

بیس دن تک کفار خندق پار پڑے رہے اور مسلمان بھی اُن کے مقابلہ میں ثابت قدمی کے ساتھ جمے رہے، بہت سخت کٹھن وقت تھا، جس میں کلیجے منہ کو آرہے تھے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا اس وقت پڑھنے کے لئے کچھ کلمات ہیں؟ اس پر آپؐ نے یہ کلمات تعلیم فرمائے:۔

اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا،	"اے اللہ ہماری پردہ پوشی فرما، اور خوف کو دور فرما کر امن چین نصیب فرما"

بالآخر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بارگاہِ خداوندی میں یوں دُعا کی:۔

اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتٰبِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ اِهْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ	"اے اللہ! اے کتاب اُتارنے والے! اے جلد حساب لینے والے! ان جماعتوں کو شکست دے اے اللہ ان کو شکست دے اور ان کے ارادے اور قدم ڈگمگا دے"

اللہ جل شانہٗ نے دعا قبول فرمائی، اور رات کے وقت سخت تیز ہوا بھیجی، اور فرشتوں کے

لشکر بھیجے، ہوا نے اُن کے خیمے اکھاڑ پھینکے، اور ہانڈیاں اُلٹ دیں، حضرت نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو دشمنوں کی ایک جماعت کے ساتھ اسی جنگ میں شریک ہوئے اور پھر اسی موقع پر اسلام قبول کیا) انھوں نے کفار کی جماعتوں میں بڑی اچھی تدبیر سے پھوٹ ڈالی تھی، جس وجہ سے اوّل تو وہ لوگ خود ہی اپنی اپنی جگہ جنگ سے فرار کی راہ سوچنے لگے تھے، پھر اوپر سے زبردست آندھی آگئی، پھر کیا تھا، تتر بتر ہو کر بُری طرح بدحواس ہو کر بھاگ گئے، اللہ جلّ شانہٗ نے مسلمانوں کو بحفاظت و سلامت اُن کے گھروں میں لوٹا دیا، اس موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب آئندہ ہم اُن سے جنگ کریں گے، یہ ہم سے جنگ کرنے نہ آئیں گے، آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ بادِ صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی (جو مشرق سے مغرب کو چلتی ہے) اور دَبُور کے ذریعہ قوم ہلاک کی گئی (دبور مغرب سے مشرق کو چلتی ہے) (صحیح بخاری)

قرآن مجید میں غزوۂ خندق کو جامع الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ

اے ایمان والو اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے (یعنی عیینہ کا لشکر اور ابو سفیان کا لشکر اور یہود بنی قریظہ) پھر ہم نے اُن پر ایک آندھی بھیجی، (جس نے اُن کو پریشان کر دیا اور اُن کے خیمے اکھاڑ پھینکے) اور فرشتوں کی، ایسی فوج بھیجی جو تم کو (عام طور پر) دکھائی نہ دیتی تھی، (گو بعض صحابہؓ نے مثل حضرت حذیفہؓ کے بعض ملائکہ کو بشکل انسان دیکھا بھی، اور کفار کے لشکر میں یہ جاسوسی کے لئے گئے تھے وہاں یہ آواز بھی سنی کہ بھاگو بھاگو، اور یہ ملائکہ

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ
وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ وَاِذْ
قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ
يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا
وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ
يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ
وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ
اِلَّا فِرَارًا ۝ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ
مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ
لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا
يَسِيْرًا ۝

لڑے نہ تھے، محض القاء رعب کے لئے
بھیجے گئے تھے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے
(اس وقت کے) اعمال کو (مثل حفر
خندق وثبات فی القتال و استقلال کے)
دیکھتے تھے (اور خوش ہو کر تمہاری امداد
فرما رہے تھے، یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا)
جبکہ وہ (دشمن) لوگ تم پر (ہر طرف سے زغہ
کر کے) آچڑھے تھے، اوپر کی طرف سے
بھی اور نیچے کی طرف سے بھی (یعنی کوئی
قبیلہ مدینہ کے نشیب کی طرف سے اور کوئی قبیلہ فراز
کی طرف سے) اور جبکہ آنکھیں (مارے
دہشت کے) کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں، اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے، اور تم لوگ اللہ کے
ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے، (جیسا مواقع شدت میں طبعی طور پر مختلف
وسوسے آیا کرتے ہیں، اور یہ کچھ مذموم نہیں اور نہ اُس کے منافی ہے، کہ آگے اہل ایمان
کا قول آتا ہے کہ ھٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔
کیونکہ اس میں مشار الیہ احزاب کا آنا ہے، پس چونکہ اس کی خبر دی گئی تھی، اس لئے یہ
متیقن تھا، لیکن انجام اس واقعہ کا نہیں بتلایا گیا تھا، اس لئے اس میں احتمالات
مختلفہ غالبیت و مغلوبیت کے پیدا ہوتے تھے) اس موقع پر مسلمانوں کا (پورا)
امتحان کیا گیا (جس میں وہ پورے اُترے) اور (سخت) زلزلے میں ڈالے گئے، اور
(یہ واقعہ اُس وقت ہوا تھا) جبکہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق
اور شک کا) مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے
دھوکہ ہی کا وعدہ کر رکھا ہے (جیسا معتب بن قشیر اور اُس کے ہمراہیوں نے یہ قول
اس وقت کہا تھا کہ خندق کھودتے وقت کدال لگنے سے کئی بار آگ کا شرارہ نکلا،

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار ارشاد فرمایا کہ مجھ کو فارس اور روم و شام کے محل اس کی روشنی میں نظر آئے، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی فتح کا وعدہ فرمایا ہے، جب احزاب کے اجتماع کے وقت پریشانی ہوئی تو یہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو حالت ہے اور اس پر فتح روم و فارس کی بشارتیں ہیں، یہ محض دھوکہ ہے، اور گو وہ اس کو اللہ کا وعدہ نہ سمجھتے تھے نہ آپ کو رسول جانتے تھے، پھر یہ کہنا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ یا تو محکی عنہ میں نہ تھا، صرف حکایت میں ہے، اور یا بطور فرض و استہزاء کے ہے) اور (یہ واقعہ اس وقت تھا) جبکہ اُن (منافقین) میں سے بعض لوگوں نے (دوسرے حاضرین معرکہ سے) کہا کہ یثرب (یعنی مدینہ) کے لوگو (یہاں) ٹھہرنے کا موقع نہیں،

(کیونکہ یہاں رہنا موت کے منہ میں آنا ہے) سو (اپنے گھروں میں) لوٹ جاؤ (یہ قول اوس بن قیظی نے کہا اور بھی کچھ لوگ اس میں شریک تھے) اور بعضے لوگ ان (منافقین) میں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے (گھر جانے کی) اجازت مانگتے تھے کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں (صرف عورتیں بچے رہ گئے ہیں، دیواریں قابل اطمینان نہیں کبھی چور نہ آگھسیں، یہ قول ابو عرابہ اور دوسرے بعض بنی حارثہ کا تھا) حالانکہ وہ (ان کے خیال میں) غیر محفوظ نہیں ہیں (یعنی اُن کو اندیشہ چوری وغیرہ کا ہرگز نہیں اور نہ جانے سے یہ نیت ہے کہ اُن کا انتظام قابل اطمینان کر کے چلے آویں گے) یہ محض بھاگنا ہی چاہتے ہیں اور (اُن کی یہ حالت ہے کہ) اگر مدینہ میں اس کے (سب) اطراف سے اُن پر (جب یہ اپنے گھروں میں ہوں) کوئی (لشکر کفار کا) آگھسے پھر ان سے فساد (یعنی مسلمانوں سے لڑنے) کی درخواست کی جائے تو یہ (فوراً) اُس (فساد) کو منظور کریں اور اُن گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں (یعنی اتنا توقف ہو کر اُن سے درخواست کرے اور یہ منظور کریں، اور اس کے بعد فوراً ہی تیار ہو جائیں اور مسلمانوں کے مقابلہ میں جا پہنچیں، اور کچھ بھی گھروں کا خیال نہ کریں[1]

---

[1] ترجمہ و تفسیر از بیان القرآن ۱۲

غزوۂ احزاب کی تکمیل اور بنو قریظہ کا انجام

غزوۂ احزاب سے فارغ ہو کر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہر مدینہ میں تشریف لائے، اور ہتھیار رکھ کر غسل فرمالیا، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے، اور عرض کیا کہ آپ نے ہتھیار رکھ دیئے، اللہ کی قسم! ہم نے (یعنی فرشتوں نے ابھی) ہتھیار نہیں رکھے!! آپ اُن کی طرف روانہ ہو جائیے، آپ نے فرمایا کہ کن لوگوں کی طرف؟ عرض کیا وہاں چلئے، اور یہود کے قبیلہ بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد اُن کی طرف روانہ ہو گئے، یہ واقعہ ۲۳ ذیقعدہ ۵ھ کا ہے، حضرات صحابہؓ بھی روانہ ہو گئے، جن کی تعداد تین ہزار تھی، بنی قریظہ یہودیوں کا قبیلہ تھا، ان لوگوں نے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کر لیا تھا کہ آپ کے مقابلہ میں کسی کی مدد نہ کریں گے لیکن ان لوگوں نے معاہدہ توڑ دیا، اور غزوۂ احزاب میں مشرکین مکہ کے ساتھ شریک ہو گئے، اس غدر کی وجہ سے معاہدۂ امن ختم ہو گیا،

جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ اُن کے محلہ میں پہنچے تو یہ لوگ اپنے قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے، لہٰذا حضرات صحابہؓ نے اُن کا محاصرہ کر لیا، اور یہ محاصرہ پندرہؓ دن اور بعض روایات کے مطابق پچیسؓ دن رہا، جس کی وجہ سے بنی قریظہ بہت بڑی دشواری میں پڑ گئے، اور اُن کے دلوں پر رعب طاری ہو گیا، اُن کے رئیس کعب ابن اسد نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ یا تو ایمان لے آؤ یا اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے جنگ کرتے ہوئے باہر نکل آؤ یا سنیچر کی رات میں (جبکہ مسلمان تمہاری طرف سے غافل ہوں اور مطمئن ہوں کہ تم حملہ نہ کرو گے) مسلمانوں پر حملہ کر دو، وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم نہ تو ایمان لائیں گے اور نہ سنیچر کی رات کی بے حرمتی کریں گے، اور عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کے بعد زندگی کا کیا مزا ہے؟

پس ان لوگوں نے یہ اطلاع بھیجدی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر

راضی ہوتے ہیں، جو بھی آپ کا فیصلہ ہو ہمیں منظور ہے، آپؐ نے حضرت سعد بن معاذؓ پر یہ فیصلہ رکھ دیا جو قبیلۂ اوس کے سردار تھے، پھر بنی قریظہ بھی حضرت سعدؓ کے فیصلہ پر راضی ہوگئے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، حضرت سعد بن معاذؓ کے ہاتھ کی رگ میں غزوۂ احزاب کے موقع پر دشمن کا ایک تیر لگ گیا تھا، حضرت سعد بن معاذؓ کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر بھیجی کہ یہ لوگ تمہارے فیصلہ پر راضی ہیں، چنانچہ وہ اسی تکلیف کی حالت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے فرمایا تم جو بھی فیصلہ کرو اُن کو منظور ہے،

یہ سنکر حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا کہ اُن کے بارے میں میرا فیصلہ یہ ہے کہ اُن میں جو لوگ جنگ کرنے کے قابل ہیں اُن کو قتل کر دیا جائے اور اُن کے بچوں اور عورتوں کو قید کر لیا جائے، اور اُن کے مال تقسیم کر لئے جائیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا فیصلہ سنکر فرمایا کہ تم نے وہی فیصلہ کیا جو اُن کے بارے میں اللہ کا فیصلہ ہے،

اس فیصلہ کے بعد اُن کے مالوں کو اور اُن کی عورتوں بچوں کو غلام باندی بناکر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا، اور مردوں کو (جن میں جوان بوڑھے سب تھے) قتل کر دیا گیا، مردوں کو اس طرح قتل کیا گیا کہ خندقیں کھودی گئیں اور اُن میں کھڑے کر کرکے گردنیں ماردی گئیں خندقوں میں اچھی طرح سے خون جاری ہوا، جن لوگوں کو قتل کیا گیا اُن کی تعداد میں اصحاب سیر میں بہت اختلاف ہے، چارسو، چھ سو، سات سو، نو سو تک کے اقوال ہیں[1]،

اس سلسلہ کے دو واقعے بہت عجیب ہیں، ایک تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس طرح بیان فرمایا کہ بنی قریظہ کی عورتوں میں سے صرف ایک عورت قتل کی گئی، یہ عورت میرے پاس موجود تھی، باتیں کرتی جاتی تھی، اور خوب زیادہ پلٹیاں کھا کھا کر ہنس رہی تھی، حالانکہ اُس وقت بنی قریظہ کے مرد قتل کئے جا رہے تھے، (اور اُسے معلوم تھا کہ میں قتل کئے جانے والی ہوں) اچانک کسی نے آواز دی کہ فلاں عورت کہاں ہے؟ کہنے لگی، میں ہوں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے کہا تجھے کیا ہوا؟ (یعنی تو قتل ہو نیوالی

---

[1] بخاری، فتح الباری ۱۲

کی فہرست میں کیسے آگئی، کہنے لگی، میں نے ایک ایسی حرکت کردی ہے، چنانچہ اس کو لے جاکر گردن مار دی گئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے اس وقت کے تعجب کو نہیں بھولتی ہوں کہ وہ بے تحاشا ہنس رہی تھی، حالانکہ اُسے معلوم تھا کہ میں ابھی قتل ہونے والی ہوں[۱]۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ زبیر نامی ایک یہودی تھا جو اندھا تھا، قتل کئے جانیوالوں کی فہرست میں آچکا تھا، اُس کے بارے میں حضرت ثابت بن قیسؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس کا مجھ پر احسان ہے، آپؐ مجھے یہ ہبہ کردیجئے، آپؐ نے کہا جاؤ یہ تمہارے لئے بخشش ہے، حضرت ثابتؓ نے زبیر سے دریافت فرمایا کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ کہنے لگا، ہاں تم ثابت ہو، حضرت ثابتؓ نے فرمایا، میں تجھ پر احسان کرنا چاہتا ہوں، جیسا کہ تم نے مجھ پر جنگ بعاث میں احسان کیا تھا (میں نے تیری جان بخشی کرالی ہے) زبیر نے کہا، میرے اہل وعیال کہاں ہیں؟ یہ بات سُنکر حضرت ثابتؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرکے اس کے اہل وعیال بھی حاصل کرلئے، اور اس سے کہا یہ بھی تم کو مل جائیں گے، زبیر کہنے لگا بلا مال کے صرف جسم لے کر کیا کریں گے، اس پر حضرت ثابتؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مال بھی طلب کرلیا، آپؐ نے وہ بھی انکو دیدیا، حضرت ثابتؓ نے اس کو بتادیا کہ تیرا مال بھی محفوظ ہے، وہ بھی مل جائے گا، زبیر کہنے لگا کہ حُیَیّ بن اخطب کا کیا ہوا؟ حضرت ثابتؓ نے فرمایا وہ قتل کیا گیا، کہنے لگا، اور فلاں فلاں کا کیا ہوا؟ حضرت ثابتؓ نے سب کے بارے میں فرمایا کہ وہ قتل ہوگئے، اس پر زبیر نے کہا کہ میں تمہیں اس احسان کا واسطہ دیتا ہوں جو میں نے تم پر کیا تھا کہ مجھے تم میری قوم ہی کے ساتھ ملادو چنانچہ اس کی اس بات پر اُس کو بھی قتل کردیا گیا[۲]۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بنی قریظہ کے بارے میں اپنا فیصلہ دیدیا جس پر عمل کردیا گیا، تو انھوں نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ اے اللہ آپ کو معلوم ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کے رسولؐ کو جھٹلایا اور (شہر سے) نکال دیا ایسے لوگوں سے جہاد کرنے سے بڑھکر مجھے کوئی چیز محبوب نہیں ہے، اے اللہ! میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے ہمارے اور

---

[۱] جمع الفوائد ۱۲   [۲] جمع الفوائد ۱۲

مشرکین مکہ کے درمیان جنگ ختم کر دی ہے، پس اگر (میرا یہ خیال صحیح نہیں ہے اور) قریش کی لڑائی میں سے کچھ حصہ باقی ہے تو مجھے ابھی زندہ رکھئے، تاکہ آپ کی رضا کے لئے اس سے جہاد کروں اور اگر ہمارے اور قریش مکہ کے درمیان جنگ کا موقع بالکل ختم ہو چکا ہے تو میرے اس زخم رگ کے خون کو (جو غزوۂ احزاب میں ہاتھ کی رگ میں تیر لگنے سے ہو گیا تھا) جاری کر دیجئے، اور میری موت کا اسی کو سبب بنا دیجئے، پس خون بہنا شروع ہوا اور اسی سے وفات ہوئی،
(بخاری و مسلم)

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر جو حضرت سعد بن معاذؓ کی رگ میں تیر لگ گیا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ آگ سے داغ دیا تھا، (یہ اس زمانہ کا علاج تھا) اس سے اُن کا ہاتھ پھول گیا، اس کو اسی حال میں چھوڑ دیا گیا تو خون جاری ہو گیا، پھر آپ نے دوبارہ آگ کا داغ دیا، پھر ہاتھ پھول گیا، جب حضرت سعدؓ نے یہ حال دیکھا تو بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ یا اللہ میری جان نہ نکلے، جب تک بنی قریظہ کے معاملہ میں میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں، چنانچہ خون بہنا بالکل بند ہو گیا، اور ایک قطرہ بھی نہ ٹپکا، یہاں تک کہ جب بنی قریظہ اُن کے فیصلہ پر راضی ہو گئے، اُس کے بعد انھوں نے اُن کے بارے میں فیصلہ دیدیا کہ اُن کے مرد قتل کئے جائیں اور اُن کی عورتوں کو زندہ رکھ (کر مسلمانوں میں) بانٹ دیا جائے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے، جن لوگوں کو قتل کیا گیا چار سو آدمی تھے، جب اُن کے قتل سے فراغت ہو گئی تو حضرت سعدؓ کی رگ پھٹ گئی، اور خون بہنا شروع ہوا اور اُن کی وفات ہو گئی (ترمذی)

سبحان اللہ! حضرات صحابہؓ کے کیا جذبات تھے؟ زندہ رہنے کی تمنا تھی تو کافروں سے جہاد کرنے کے لئے اور دشمنانِ دین کی ذلت اور رسوائی دیکھنے کے لئے، رضی اللہ عنہم اجمعین وارضاہم،

سورۂ احزاب ہی میں پارۂ اکیس کے ختم کے قریب بنو قریظہ کی بدحالی کا اور مشرکین مکہ کی ناکامی کا تذکرہ فرمایا، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے خود ہی کافی ہو گیا، چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝

(سورۂ احزاب ع ۳)

"اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اُن کے غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا، کہ اُن کی کچھ بھی مراد پوری نہ ہوئی، اور جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے آپ ہی کافی ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا، بڑا زبردست ہے، اور جن اہل کتاب (یعنی یہود بنی قریظہ) نے اُن (کافروں) کی مدد کی تھی انکو اللہ تعالیٰ نے اُن کے قلعوں سے نیچے اُتار دیا، ان کے دلوں میں رعب بٹھا دیا (جس کی وجہ سے وہ قلعوں سے اتر آئے) اور پھر بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کرنے لگے، اور اُن کی زمین اور اُن کے گھروں اور ان کے مالوں کا تم کو مالک بنا دیا، اور ایسی زمین کا (بھی) تم کو مالک بنایا جس پر تم نے (ابھی تک) قدم (بھی) نہیں رکھا، (اس میں فتح خیبر کی بشارت اور پیشین گوئی ہے) اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔"

قتل بنی قریظہ کے بعد مدینہ منورہ تقریباً یہودیوں سے خالی ہو گیا، اوّل تو بنی قینقاع کو مدینہ سے جلاوطن کیا گیا، پھر بنی نضیر جلاوطن ہوئے، اور بنو قریظہ جو باقی رہ گئے تھے عہد شکنی کی وجہ سے اُن کا وہ انجام ہوا جو اوپر گذرا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بنو نضیر و بنو قریظہ نے جنگ کی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا، اور بنو قریظہ پر احسان فرمایا کہ اُن کو مدینہ منورہ میں (معاہدۂ جدیدہ کے بعد) رہنے دیا، یہاں تک کہ بعد میں بنی قریظہ نے بھی جنگ کی تو آپ نے اُن کے مردوں کو قتل فرما دیا اور اُن کی عورتوں، بچوں اور مالوں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، سوائے چند اُن لوگوں کے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں آگئے، آپؐ نے اُن کو امان دیدی، اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا، آپؐ نے مدینہ کے تمام یہودیوں کو جلاوطن کر دیا جن میں بنی قینقاع بھی تھے، جو عبداللہ بن سلام کا قبیلہ تھا، اور بنی حارثہ بھی تھے، اور ان کے علاوہ ہر یہودی کو مدینہ سے نکال دیا[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بہت اہتمام تھا کہ سرزمینِ عرب میں کوئی کافر نہ رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ضرور بالضرور یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دوں گا، یہاں تک کہ اس میں سے مسلمان کے سوا کسی کو باقی نہ رکھوں گا (صحیح مسلم)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وصیتیں فرمائی تھیں اُن میں یہ بھی تھا کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دینا (بخاری و مسلم) پس اس وصیت پر عمل کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو خیبر سے بھی نکال دیا تھا جو مدینہ سے جلاوطن ہو کر وہاں آباد ہو گئے تھے ۔

آنَا النَّبِیُّ لَاکَذِبْ ﴿۲۳﴾ آنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

ترجمہ "میں نبی ہوں، اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں"

(صحیح بخاری، صہ ۴۱۲ باب من صف اصحابہ عند الغزیمۃ وص ۴۲۷ ج ۱ باب من قال خذہا وانا ابن فلان وص ۶۱۷ ج ۲ باب قول اللہ تعالیٰ ویوم حنین الخ)

شرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ۸ھ میں فتح مکہ سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ ہی میں مقیم تھے، آپؐ کو خبر ملی کہ مالک بن عوف نضری نے بنی ہوازن کے قبائل کو جمع کیا ہے، اُن کے ساتھ بنی ثقیف بھی ہو گئے ہیں، بعض روایات میں بنو غطفان کا بھی ذکر ہے، اور اُن لوگوں کا ارادہ یہ ہے کہ مسلمانوں سے جنگ کریں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر ملی تو آپؐ دس ہزار مسلمانوں کو ساتھ لے کر اُن کے مقابلہ کے لئے

---

[۱] صحیح بخاری، ص ۵۷۴، ج ۲، ۱۲

شوال کے پہلے ہفتہ میں روانہ ہوئے، بنو ہوازن کا بہت بڑا قبیلہ تھا، یہ لوگ مرد عورت بچے، جانور مویشی سب کو ساتھ لے کر آئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل کو انشاء اللہ یہ سب مسلمانوں کی غنیمت ہوگی، اور پہلے سے انھوں نے مقام حُنین میں جگہ دیکھ بھال کر جنگ کی تیاری کرلی تھی، اور وادی کی تنگ جگہوں میں مورچہ بنالیا تھا، اور ترتیب اس طرح سے قائم کی تھی کہ پہلے گھوڑا سواروں کی صفیں بنائیں، پھر پیدل چلنے والوں کی صفیں، پھر عورتوں کی صفیں، پھر بکریوں کی صفیں پھر اونٹوں کی صفیں بنائیں اور بچوں، عورتوں اور جانوروں کے لانے کا مقصد یہ تھا کہ نہایت بہادری کے ساتھ جم کر مقابلہ کریں گے تاکہ بال بچے اور مال وغیرہ یاد آکر بزدلی نہ آجائے، اور اگر ختم ہوں تو سب اکٹھے ہی ختم ہوجائیں،

یہ میدان کارزار چونکہ ان لوگوں نے مقام حُنین میں بنایا تھا، اس لئے اس معرکہ کو غزوہ حنین سے تعبیر کیا جاتا ہے، بنو ہوازن تیراندازی میں بڑے ماہر تھے، اُن کے تیر خطا ہوتے ہی نہ تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ کو لیکر حنین پہنچے، تو چونکہ اس موقع پر مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس لئے مسلمانوں کو اپنی کثرت پر گھمنڈ ہوگیا، اور بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ کلمہ نکل گیا کہ لَنْ نُغْلَبَ الْيَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ کہ "آج ہم تعداد کی کمی کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے،" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کلمہ شاق گذرا، جس کے نتیجہ میں اللہ پاک نے شکست دکھائی، اور پھر بعد میں فتح ہوئی، شکست کا ظاہری سبب بنی ہوازن کی تیراندازی تھی، جب حضرات صحابہؓ حُنین میں پہنچے اور بنی ہوازن بارش کی طرح تیر برسانے شروع کئے، تو مسلمانوں کی جمعیت منتشر ہوگئی، میدان جہاد سے مُنہ پھیر کر بالکل بھاگ جانا جس میں واپسی کا ارادہ نہ ہو سخت گناہ ہے، لیکن اگر گھوم کر واپس ہونے اور پلٹنے کا ارادہ ہو تو یہ گناہ میں شمار نہیں ہے، حضرات صحابہؓ نے راہ فرار اختیار نہیں کی تھی، اس لئے جلد ہی واپس آگئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک خچرنی پر سوار تھے، آپؐ کی بہادری اور شجاعت پہلے ہی سے سب پر آشکارا تھی، جب کبھی کوئی موقع سخت جنگ کا ہوتا، تو اس موقع پر آپؐ

ہی سب سے آگے رہتے تھے، جو شخص آپ کے ساتھ رہ جاتا تھا، وہ شخص بہادری میں ممتاز سمجھا جاتا تھا، اس موقع پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت اور بہادری کے جوہر کھلے، آپ اپنی خچرنی پر سوار تھے اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے ؎

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ ﴿﴾ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

"میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں"

جو حضرات صحابہؓ اس موقع پر آپ کے ساتھ تھے ثابت قدم رہ گئے تھے اسی آدمی تھے، جن میں آپ کے چچا حضرت عباسؓ اور آپ کے دوسرے چچا حارث کے بیٹے ابوسفیانؓ بھی تھے، یہ ابوسفیان وہی ہیں جن کا ذکر حضرت حسانؓ کے اشعار کے ذیل میں آچکا ہے، ان کو پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت عداوت تھی، ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے، بعد میں اللہ نے اسلام کی توفیق دی، اور فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا اور بہت سچے پکے مسلمان ہوگئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے، اور بہت جواں مردی دکھائی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مندرجۂ بالا شعر پڑھ رہے تھے، اور حضرت ابوسفیانؓ آپ کی خچرنی کی لگام تھامے ہوئے تھے، بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابوسفیانؓ رکاب تھامے ہوئے تھے، اور حضرت عباسؓ لگام پکڑے ہوئے تھے، ممکن ہے پہلے حضرت ابوسفیانؓ لگام تھامے ہوئے ہوں، بعد میں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خچرنی کو تیز چلانے کے لئے ایڑی ماری تاکہ مشرکین مکہ کی طرف بڑھیں، تو حضرت عباسؓ نے خچرنی کی تیزی پر قابو پانے کے لئے لگام پکڑی ہو، اور حضرت ابوسفیانؓ نے چچا کے اکرام میں بخوشی لگام اُن کے حوالے کرکے خود رکاب پکڑلی ہو، یہ ابوسفیانؓ وہ نہیں ہیں جو حضرت معاویہؓ کے والد تھے، یہ ابوسفیان بن الحارث ہیں وہ ابوسفیان بن الحرب ہیں، رضی اللہ عنہما،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر خچرنی کی سواری اختیار فرمائی، تاکہ بہادری اور ثبات قدمی ظاہر ہو، کیونکہ خچرنی دوڑ نہیں سکتی، گھوڑے پر سوار ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سوار جب موقع دیکھے بھاگ سکتا ہے، آپ نے خچرنی استعمال کرکے بھاگنے کا وہم دور فرمادیا، جب آپ کے صحابہؓ دشمن کی تیراندازی دیکھ کر منتشر ہوگئے جو ہزاروں کی تعداد میں تھے

اور آپؐ کے ساتھ تھوڑے سے آدمی رہ گئے، تو آپؐ نے داہنی طرف کو رُخ کر کے آواز دی:
یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ، یہ سنکر وہ یہ کہتے ہوئے دوڑے:-

لَبَّیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَبْشِرْ نَحْنُ مَعَكَ،	"اے اللہ کے رسولؐ ہم حاضر ہیں، آپ خوش رہیں، ہم آپؐ کے ساتھ ہیں"

پھر بائیں طرف رُخ پھیر کر بھی آواز دی، اور اس پر انصار نے وہی جواب دیا اور حاضر خدمت ہو گئے، بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے یوں آواز دی:

یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ،	"اے اللہ کے بندو! میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں"

اور بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ اصحاب الشجرہ کو بلاؤ،
حضرت عباسؓ کی آواز بہت بلند تھی، انھوں نے خوب بلند آواز سے پکارا:

اَیْنَ اَصْحٰبُ الشَّجَرَةِ؟	"یعنی کہاں ہیں شجرہ والے؟"

(شجرہ والوں سے وہ حضرات مراد ہیں جنھوں نے حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے بیعت کی تھی) جب ان حضرات نے یہ آواز سنی تو یَا لَبَّیْكَ یَا لَبَّیْكَ کہتے ہوئے ایسی تیزی سے دوڑے ہوئے آئے جیسے گائے اپنے بچوں کے پاس دوڑ کر آتی ہے، اصحابِ شجرہ کے علاوہ دیگر مہاجرین وانصار بھی لوٹ کر آئے، اور جنگ شروع ہو گئی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خچر سے نیچے اُترے، اور اللہ سے مدد طلب کی، اور ایک مٹھی بھر کر دشمنوں کی طرف کنکریاں پھینک دیں، اور بعض روایات میں ہے کہ مٹھی بھر مٹی پھینک دی اور فرمایا:
شَاهَتِ الْوُجُوْهُ (چہرے بدصورت ہو جائیں) پھر فرمایا: اِنْهَزَمُوْا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ (یعنی ربِ کعبہ کی قسم: دشمنوں کو شکست ہو گئی)، چنانچہ ایسے ہی ہوا جو مٹی یا کنکریاں آپؐ نے دشمنوں کی طرف پھینکیں اُن میں سے ہر شخص کی آنکھوں میں بھر گئیں، اور وہ لوگ شکست کھا کر بھاگ نکلے[۱]، اور اس موقع پر[۲] ہزاروں عورتیں قید میں آئیں جن کو مجاہدین میں

---

[۱] از بخاری ومسلم وفتح الباری ۱۲ [۲] عینی شرح بخاری میں ہے کہ اس موقع پر چھ ہزار افراد قید ہوئے اور ۲۴ ہزار اونٹ ملے اور ۴۰ ہزار سے زیادہ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی غنیمت میں ملی ۱۲

بانٹ دیا گیا، اور ہزاروں بکریاں اور اونٹ غنیمت میں ملے، جن کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دم میں تقسیم فرما دیا،

اس موقع پر صفوان بن امیہ بھی حاضر تھے، فتح مکہ کے موقع پر یہ بھاگ گئے تھے، اُن کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امان طلب کی گئی، آپؐ نے امان دیدی، اور باوجودیکہ اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا چار ماہ امن وامان سے زمین میں چلنے پھرنے کی اجازت مرحمت فرمائی، یہ حالتِ کفر ہی میں غزوۂ حنین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آگئے، اور اس کے بعد طائف کے محاصرہ کے موقع پر آپؐ کے ساتھ حاضر رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مالِ غنیمت معرکۂ حنین سے ہاتھ آیا تھا اس کو بانٹنا شروع کیا، صفوانؓ دیکھتے رہے کہ ایک ایک شخص کو سَو سَو اونٹ مل رہے ہیں، خود ان کو بھی آپؐ نے بہت مال دیا، یہ دیکھ کر اُن کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں، اور کہنے لگے کہ خدا کی قسم ایسی داد ودہش نبی کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا، اس کے بعد صفوانؓ مسلمان ہو گئے،[1]

مالک بن عوف نضری جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے قبائل کو جمع کر کے لایا تھا وہ شکست کھا کر طائف چلا گیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میرے پاس آتا تو اس کا مال اور اس کے بال بچے اس کو واپس کر دیتا، جب اس کو یہ بات پہنچی تو حاضرِ خدمت ہو کر اسلام قبول کر لیا، آپؐ نے اس کو بھی سَو اونٹ دیئے، یہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے، بعد میں پکے مسلمان ہو گئے،[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر جو شعر پڑھا تھا، اس میں اوّل تو اپنے نبی ہونے کا اعلان فرماتے ہوئے اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ فرمایا، جس کا مطلب یہ تھا کہ میں اللہ کا نبی ہوں جس میں کوئی شک نہیں، اللہ نے جو مجھ سے نصرت کا وعدہ فرمایا ہے وہ حق ہے، میں نے جو خبر دی ہے بلاشبہ درست ہے، اس کے بعد آپؐ نے اپنے ابن عبدالمطلب

---

[1] الاکمال لصاحب المشکوٰۃ ۱۲ [2] عینی شرح بخاری ۱۲

[3] جاء تصریح بذلک عند البخاری راجع باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعطی المؤلفۃ قلوبہم ۱۲

ہونے کا اعلان و اظہار فرمایا، اس موقع پر آپؐ نے اَنَا ابْنُ عَبْدِ اللّٰہِ نہیں فرمایا بلکہ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ فرمایا، یعنی اپنے کو دادا کی طرف منسوب کیا، اور عبد المطلب کا بیٹا بنایا، اس سے معلوم ہوا کہ اپنے دادوں کی طرف نسبت کرنا اور یہ کہنا کہ فلاں کا بیٹا ہوں درست ہے، البتہ یہ بات کہ اُس وقت اِس میں کیا حکمت تھی کہ آپؐ نے اپنی نسبت عبد المطلب کی طرف کی، اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ چونکہ جنابؐ عبد اللہ کی وفات جوانی میں ہوگئی تھی، اور عبد المطلب کی معروف شخصیت تھی، اور انہوں نے عمر بھی بہت پائی، (اور آپؐ کی پرورش بھی کی) جس کی وجہ سے بہت سے لوگ آپؐ کو ابن عبد المطلب ہی کہتے تھے، اس لئے اظہارِ شجاعت کے لئے اس موقع پر اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ فرمایا، اور اپنے بارے میں یہ اعلان فرمایا کہ میں بھاگنے والا نہیں ہوں، دوسرا اپنے اصحابؓ کو بھی متوجہ فرمایا، کہ میں ثابت قدم ہوں، تم لوگ واپس آجاؤ،

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ عبد المطلب کی ذریت میں ایک شخص پیدا ہوگا جو خاتم الانبیاء ہوگا وہ اللہ کی طرف بلائے گا، اور لوگوں کو اس کے ذریعہ ہدایت ہوگی، پس جن لوگوں کو یہ بات معلوم تھی اُن کو یاد دلانا تھا، مقصود تھا کہ دیکھو میں وہی ابن عبد المطلب ہوں جس کی خوشخبری پہلے سے معروف و مشہور ہے، چونکہ پیشین گوئی میں یہ بات بھی تھی کہ وہ شخص جو خاتم الانبیاء ہوگا اس کو شکست نہ ہوگی

الحمد للہ! اللہ کی مدد اور آپؐ کی دلیری اور ثباتِ قدمی سے معرکہ سر ہوا اور مسلمانوں کو شکست کے بعد زبردست کامیابی ہوئی، قرآن مجید میں اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ	تم کو خدا تعالیٰ نے (لڑائی کے) بہت موقعوں میں (کفار پر) غلبہ دیا (جیسے بدر وغیرہ) اور حنین کے دن بھی (جس کا قصہ عجیب و غریب ہے تم کو غلبہ دیا) جبکہ (یہ واقعہ ہوا تھا کہ) تم کو اپنے مجمع کی

وَّلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۞ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۞

کثرت سے غرہ ہو گیا تھا، پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی، اور (کفار کے تیر برسانے سے ایسی پریشانی ہوئی کہ) تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ کرنے لگی، پھر آخر تم پیٹھ دیکر بھاگ کھڑے ہوئے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (کے قلب) اور دوسرے مومنین کے قلوب پر اپنی طرف سے تسلی نازل کی اور (مدد کے لئے) ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا (مراد فرشتے ہیں جس کے بعد تم مستعد قتال ہوئے اور غالب آئے) اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو سزا دی (کہ ان پر ہمت اور قتل و قید واقع ہوا) اور یہ کافروں کی (دنیا میں) سزا ہے۔

اَنَا ابْنُ الْاَكْوَعِ ﴿۲۴﴾ اَلْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ

ترجمہ: "میں اکوع کا بیٹا ہوں، اور آج کمینوں (کی ہلاکت) کا دن ہے!

(صحیح بخاری، ص ۴۲۷، ج ۱، باب من رأى العدو فنادى باعلى صوته الخ و ص ۶۰۳ ج ۲، باب غزوة ذات القرد)

شرح مدینہ طیبہ سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر ایک آبادی تھی جس کو "غابہ" کہتے تھے" وہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دودھ والی اونٹنیاں چرا کرتی تھیں، ایک دن کافروں کے ایک مجمع کے ساتھ عبدالرحمن فزاری نے جو کافر تھا اُن کو لُوٹ لیا، اور جو صاحب چراتے تھے اُن کو قتل کر دیا، اتفاقاً حضرت سلمہ بن الاکوعؓ صبح کی اذان سے پہلے تیر کمان لئے ہوئے پیدل غابہ کی طرف چلے جا رہے تھے، کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے ایک غلام سے ملاقات ہوگئی اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیاں لُوٹ لی گئیں، حضرت سلمہؓ نے پوچھا کس نے لُوٹیں؟ اُس نے جواب دیا کہ قبیلہ غطفان کے لوگوں نے لُوٹ لی ہیں، بعض روایات میں بنی فزارہ اور بنی غطفان دونوں کا ذکر ہے، (فزارہ غطفان کی ایک شاخ تھی) حضرت سلمہ تیر اندازی میں بہت ماہر تھے، انھوں نے مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے سلع پہاڑ پر

چڑھ کر تین بار زور سے پکارا، یَا صَبَاحَاہُ، یہ الفاظ اُس زمانہ میں ایسے موقع پر پکارے جاتے تھے، جب اپنے آدمی غافل ہوں اور دشمن آن پہنچا ہو، اور اُس کے دفاع کے لئے جلد از جلد متوجہ کرنا مقصود ہو، یہ آواز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ گئی، آپؐ نے صحابہ کو جمع کرنا شروع فرما دیا، اور حضرت سلمہؓ تیر کمان لئے اُن لٹیروں کے پیچھے دوڑ لئے، حتیٰ کہ اُن کے پاس تک پہنچ گئے، اور بڑی پھرتی سے اُن پر دما دم تیر برسانے شروع کردیئے، وہ لوگ تعداد میں بہت تھے، اور سوار تھے، اور یہ تنہا تھے، اُن میں جب کوئی گھوڑا لوٹا کر پیچھا کرتا تو حضرت سلمہؓ کسی درخت کی آڑ میں چھپ جاتے اور آڑ میں سے اُس گھوڑے کے تیر مارتے جس سے وہ زخمی ہوجاتا، اور وہ اس خیال سے واپس جاتا کہ گھوڑا گر گیا تو میں پکڑا جاؤں گا، حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ بھاگتے رہے اور میں تیر مارتا رہا، جب تیر مارتا تھا تو اَنَا ابْنُ الْاَکْوَعِ اَلْیَوْمَ یَوْمُ الرُّضَّعِ کہتا جاتا تھا، تیروں سے اُن کا اتنا پیچھا کیا کہ وہ لوگ بدحواس ہوگئے، اور انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی اونٹنیاں لوٹی تھیں وہ سب میں نے آگے چھڑالیں اور وہ میرے پیچھے رہ گئیں، اور اُن کے علاوہ وہ لوگ اپنے تیس برچھے اور تیس چادریں بھی چھوڑ کر گئے، کیونکہ اُن کو بھاگنے کے لئے ہلکا ہونے کی ضرورت تھی، اسی اثنا میں ایک پہاڑ پر چڑھ گیا، وہ بھی چڑھ گئے، جب اُن میں سے چار آدمیوں نے میرا پیچھا کیا، اور میرے قریب ہوگئے، تو میں نے کہا کیا تم مجھے جانتے ہو میں کون ہوں؟ انھوں نے کہا کہ بتا کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں ابن الاکوع ہوں، اُس ذات پاک کی قسم جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی ہے، تم میں سے اگر کوئی مجھے پکڑنا چاہے تو نہیں پکڑ سکتا اور میں تم میں سے جس کو پکڑنا چاہوں پکڑ سکتا ہوں،

یہ لوگ میری بات سُنکر واپس ہوگئے، اُن میں سے ایک شخص نے کہا کہ اس نے جو دعویٰ کیا ہے ٹھیک معلوم ہوتا ہے، میں اپنی اسی جگہ پر تھا کہ میں نے دیکھا کہ درختوں کے درمیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شہسوار آرہے ہیں، جن میں سے سب سے آگے آخرم اسدیؓ تھے اور اُن کے پیچھے ابو قتادہؓ تھے،

آخرم اسدیؓ نے آتے ہی عبدالرحمٰن فزاری پر حملہ کیا، اور عبدالرحمٰن بھی اُن پر متوجہ

ہوا، انھوں نے عبدالرحمٰن کے گھوڑے پر حملہ کر کے پاؤں کاٹ دیئے، جس سے گھوڑا گر پڑا، عبدالرحمٰن نے گرتے ہوئے اُن پر حملہ کر دیا جس سے وہ شہید ہو گئے، حضرت اخرم اسدیؓ کے پیچھے حضرت ابو قتادہؓ تھے، انھوں نے عبدالرحمٰن فزاری کو قتل کر دیا،

حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں لٹیروں کے پیچھے دَوڑتا رہا، حتیٰ کہ وہ غروبِ آفتاب سے کچھ پہلے ایک تالاب پر پہنچے جس کو "ذی قرد" کہا جاتا تھا، انھوں نے چاہا کہ اس میں سے پانی پی لیں، لیکن مجھے پیچھے سے دَوڑتا ہوا دیکھا تو پیاسے ہی بھاگ کھڑے ہوئے، ایک قطرہ پانی بھی نہ پی سکے، دوڑتے دوڑتے اُن میں کا ایک آدمی پہاڑ کی گھاٹی میں کچھ فاصلہ پر مل گیا، میں نے اس کے ایک تیر مارا، اور کہا کہ میں ابن الاکوع ہوں اور آج کمینوں کی ہلاکت کا دن ہے، یہ تیر اُس کے مونڈھے کی ہڈی کو توڑتا ہوا چلا گیا، وہ شخص بولا تیرا بُرا ہو تو کونسا اکوع ہے؟ تو وہی صبح والا اکوع ہے؟ میں نے کہا ہاں! اے نفس کے دشمن میں وہی صبح والا اکوع ہوں، اس کے بعد وہ لوگ دو گھوڑے چھوڑ گئے، میں اُن کو لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا، راستہ میں میرے چچا عامر مل گئے، جن کے پاس چمڑے کے برتن میں کچھ دُودھ ملا ہوا پانی تھا، جسے میں نے پی لیا دوسرے برتن میں پانی تھا، اس سے میں نے وضو کیا، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا، تو دیکھا آپؐ نے اپنے اونٹ اور وہ سب چیزیں جو میں نے مشرکین سے چھڑائی تھیں، چادریں، نیزے وغیرہ سب اپنے قبضہ میں کر لئے ہیں، اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی ذبح کی جو میں نے دشمنوں سے چھڑائی تھیں، وہ اس کا جگر اور کوہان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھُون رہے تھے، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سَو آدمی منتخب کر کے میرے ساتھ کر دیجئے، تاکہ میں دشمنوں کے پیچھے لگوں، اُن میں سے کوئی خبر دینے والا ہی باقی نہ رہے، یہ سُنکر آپ کو ایسی ہنسی آئی کہ آگ کی روشنی میں مبارک ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں، اور فرمایا کیا تم ایسا کر دگے؟ میں نے عرض کیا، قسم ہے اُس ذات پاک کی جس نے آپ کو اعزاز بخشا ہے ضرور ایسا کروں گا' آپؐ نے فرمایا کہ اب تعاقب مناسب نہیں، وہ لوگ غطفان کے علاقہ میں پہنچ گئے ہیں

وہاں اُن کی دعوت ہو رہی ہے، (یعنی اپنی قوم میں پہونچ گئے ہیں)۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلمہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اُن کو دن بھر پانی نہ پینے دیا، یہ لوگ پیاسے ہیں، ابھی ابھی اُن کی طرف لشکر بھیج دیجئے، آپ نے فرمایا تم نے بہت کچھ کرلیا ہے، اب جانے دو،

لیکن اُن لوگوں پر اتنی دہشت سوار ہو گئی تھی کہ بنی غطفان کے ایک فرد نے خبر دی کہ ان لوگوں کے لئے ایک شخص نے اونٹ ذبح کیا تھا، جب اس کی کھال کھینچی (اور پکانے بھوننے کا ارادہ کیا) تو غبار اُڑتا ہوا نظر آیا، بس اُسے دیکھ کر بھاگ نکلے، کہ تعاقب کرنے والے لوگ (یعنی حضرات صحابہؓ) آپہنچے،

جب صبح ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج ہمارے سواروں میں سب سے بہتر ابو قتادہؓ اور ہمارے پیادہ پا چلنے والوں میں سب سے بہتر سلمہؓ ہیں، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمہؓ کو اپنی اونٹنی پر پیچھے بٹھایا اور مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے، راستہ میں حضرت سلمہؓ نے ایک انصاری صحابیؓ سے دوڑنے میں مقابلہ کیا، اور ان سے پہلے مدینہ منورہ پہنچ گئے، مدینہ پہنچ کر تین دن کے بعد غزوہ خیبر کے لئے روانگی ہوئی،

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اُن لٹیروں کے تیر مارتے تھے تو سواری کے کجاووں کو توڑ کر آدمی کے کاندھے سے نکل کر پار ہو جاتا تھا، جب مارتے تھے تو یہ شعر پڑھتے تھے،

أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ ❊ اَلْيَوْمَ يَوْمُ الرُّضَّعِ

یعنی میں اکوع کا بیٹا ہوں، آج کمینوں کی ہلاکت کا دن ہے،، مطلب یہ ہے کہ آج پتہ چلے گا کہ دلیر اور بہادر کون ہے، جو جم کر مقابلہ کرتا ہے، اور کمینہ کون ہے جو میدان سے بھاگتا ہے،

الرضع، راضع کی جمع ہے، جس کے اصل معنی تو ہیں تھن سے دودھ لینے والا، کہتے ہیں کہ ایک شخص بہت کنجوس تھا، اس ڈر سے اونٹنی کا دودھ برتن میں نہ نکالتا تھا

کہ کوئی مسافر یا پاس پڑوس کا آدمی تھوڑا بہت دودھ نہ مانگ لے، لہٰذا وہ اونٹنی کے تھن سے منہ لگا کر پی لیتا تھا، اس کے بعد "راضع" ہر کمینے کو کہنے لگے، بعض حضرات نے کہا کہ تھن سے منہ لگا کر اس لئے پیتا تھا کہ دوہتے میں ذرا بہت دودھ بھی نہ گرنے پائے، اور پیالہ میں جو ذرا بہت لگا رہ جاتا ہے اس کے ضائع ہونے کا موقع نہ آئے،

"راضع" کو لئیم کے معنی میں لینے کے بارے میں اور بھی چند اقوال ہیں، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ دوسرے مصرع کے معنی یہ ہیں کہ آج معلوم ہوگا کہ کس نے شریف عورت کا دودھ پیا ہے جس کا بیٹا نجیب اور جواں مرد ہے، اور کس نے کمین عورت کا دودھ پیا ہے جس کا بچہ بزدل اور کمینہ ہے، اور بعض حضرات نے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ آج پتہ چلے گا کہ بچپن سے جنگ کو ماں بنانے والا اور اس کا دودھ پینے والا کون ہے، یعنی جنگی مشقوں میں کس کو کمال حاصل ہے؟

شراحِ حدیث نے لکھا ہے کہ حضرت سلمہ بن الاکوع کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جنگ میں دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے ایسے شعر پڑھنا جن میں اپنے جنگی کمالات کا ذکر ہو درست ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص کوئی دینی کام دلیری اور بہادری کے ساتھ انجام دے تو اس کی حوصلہ افزائی کے لئے کچھ کہہ دینا درست ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج ہمارے سواروں میں سب سے بہتر ابو قتادہؓ رہے، اور پیدل چلنے والوں میں سب سے بہتر حضرت سلمہؓ رہے، واللہ اعلم،

وَلَسْتُ أُبَالِيْ حِيْنَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا ﴿۲۵﴾ عَلٰى أَيِّ جَنْبٍ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِيْ
وَذٰلِكَ فِيْ ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَشَأْ ﴿۲۶﴾ يُبَارِكْ عَلٰى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

ترجمہ (۲۵) "اور میں جس وقت مسلمان ہونے کی حالت میں شہید کر دیا جاؤں اس وقت کچھ پرواہ نہیں کرتا کہ کس پہلو پر میرا پچھاڑا جانا ہوا"

(۲۶) "اور یہ (قتل ہونا) اللہ کی ذات کے بارے میں ہے (یعنی اس کی رضا کے لئے) اور اگر وہ چاہے تو ٹکڑے کئے ہوئے جسم کے اعضاء میں (بھی) برکت دیدے گا"

(صحیح بخاری ص ۴۲۸ ج ۱ باب ہل یستاسر الرجل الخ، و ص ۵۶۹ ج ۲ باب بعد باب فضل

من شہد بدراً، وص ۵۰۶ ج ۲ باب غزوۃ الرجیع الخ وص ۱۰۱۱ باب ما یذکر فی النافت والنعوت)

شرح یہ اشعار حضرت خُبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس وقت پڑھے جبکہ مشرکین مکہ ان کو قتل کرنے لگے تھے، اس کا مفصل قصہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دس (یا بعض روایات میں چھ آدمیوں) کو بطور جاسوس اہل مکہ کی خبر لینے کے لئے بھیجا تھا، جن کا امیر حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا تھا، جب مکہ معظمہ اور عسفان کے درمیان پہونچے تو بنو لحیان کو ان حضرات کے سفر میں ہونے کا پتہ چل گیا، ان میں سے دوسو آدمی ان کے پیچھے لگ گئے، جن میں سو آدمی تیرانداز تھے، جب ان حضرات کو اس کا علم ہوا کہ ہمارے پیچھے دشمن لگ لیا ہے تو ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گئے، کفار جو پیچھے لگ گئے تھے وہاں جا پہنچے، اور ان حضرات سے کہا کہ ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ تم کو قتل نہیں کریں گے، مقصد صرف اتنا ہے کہ تمہارے بدلہ میں مکہ والوں سے کچھ مال وصول کرلیں ، تم نیچے اُتر آؤ،

اس پر حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تو کسی کافر کا بھروسہ نہیں کرتا اور اُس کی ذمہ داری پر نہیں اُترتا، دوسرے حضرات نے بھی حضرت عاصمؓ کی موافقت کی، اور اُن کے ساتھ جانے سے انکار کردیا، اور ترکش سے تیر نکال کر مقابلہ کیا، جب تیر ختم ہوگئے تو نیزوں سے مقابلہ کیا، اور جب نیزے بھی ٹوٹ گئے تو تلوار سے مقابلہ کیا، دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی، بالآخر تین حضرات کے علاوہ سب شہید ہوگئے، جن میں حضرت عاصمؓ بھی تھے ، انھوں نے بارگاہِ خداوندی میں دعاء کی کہ یا اللہ اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے قصہ کی خبر کردے، چنانچہ یہ دعاء قبول ہوئی، اور اُسی وقت اس واقعہ کا علم حضورؐ کو ہوگیا، حضرت عاصمؓ اور سُلافہ نامی ایک عورت کے بیٹوں کو جنگ اُحد میں قتل کرچکے تھے، اس لئے سُلافہ نے منت مانی تھی کہ اگر عاصمؓ کا سر ہاتھ آگیا تو اس میں شراب پیوں گی، حضرت عاصمؓ نے شہادت کے وقت دُعاء کی تھی کہ یا اللہ میرا سر تیرے راستہ میں کاٹا جارہا ہے، تو ہی اس کا محافظ ہے، یہ دعاء بھی قبول ہوئی، اور شہادت کے بعد کافروں نے جب سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا اور بعض روایات میں ہے کہ بھڑوں کا ایک غول بھیجدیا

جنھوں نے اُن کے بدن کو چاروں طرف سے گھیر لیا، کافروں کا خیال تھا کہ رات کے وقت جب اُڑ جائیں گی تو سر کاٹ لیں گے، مگر رات کو ایک بارش کی رَو آئی، اور اُن کی نعش کو بہا کر لیگئی، جو تین حضرات اُس وقت شہید ہونے سے بچ گئے تھے، حضرت خبیبؓ، حضرت زیدؓ بن دثنہ اور حضرت عبداللہ بن طارقؓ تھے، ان تینوں حضرات سے پھر کافروں نے عہد و پیمان کیا، کہ تم نیچے آجاؤ ہم تم سے بدعہدی نہ کریں گے، یہ تینوں حضرات نیچے اُتر آئے، اور نیچے اُترنے پر کفار کمانوں کی تانت اُتار کر اُن کی مشکیں باندھنے لگے،

حضرت عبداللہؓ بن طارق نے فرمایا کہ یہ تمھاری پہلی بدعہدی ہے، میں تمھارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گا، ان شہید ہونے والوں کا اقتداء ہی مجھے پسند ہے، انھوں نے زبردستی اُن کو کھینچنا چاہا، مگر یہ نہ ٹلے، تو اُن لوگوں نے اِن کو بھی شہید کر دیا،

اب صرف دو حضرات ان کے ساتھ رہے، جن کو لے جا کر انھوں نے مکہ معظمہ کے مشرکین کے ہاتھ فروخت کر دیا، ایک حضرت زیدؓ بن دثنہ جن کو صفوان بن امیہ نے خریدا، تاکہ اپنے باپ اُمیہ کے بدلہ میں قتل کرے، دوسرے حضرت خُبیبؓ جن کو حُجیر بن ابی اہاب نے خریدا تاکہ اپنے باپ کے بدلہ میں قتل کرے، ایک روایت میں ہے کہ حارث بن عامر کی اولاد نے خریدا، انھوں نے بدر میں حارث کو قتل کیا تھا، صفوان نے تو اپنے قیدی حضرت زیدؓ کو انہی ایام میں حرم سے باہر اپنے غلام کے ہاتھ بھیج کر قتل کرا دیا، اور حضرت خُبیبؓ ایک عرصہ تک قید میں رہے، اور قید میں اُن کو مشرکین نے اشہرِ حرم نکل جانے کے انتظار میں رکھا، جب اشہرِ حرم نکل گئے تو تنعیم میں لے جا کر (جو خارج حرم ہے) اُن کو شہید کر دیا جس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ ابھی آرہی ہے،

قید کے زمانہ میں اُن کو ایک عورت کی نگرانی میں دیدیا تھا، وہ عورت بیان کرتی تھی کہ جب خُبیبؓ ہم لوگوں کی قید میں تھے اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے، تو ہم نے دیکھا کہ خبیبؓ ایک دن انگور کا بہت بڑا خوشہ آدمی کے سر کے برابر ہاتھ میں ہے اور انگور کھا رہے ہیں، حالانکہ مکہ معظمہ میں اُس وقت انگور بالکل نہیں تھا، وہی کہتی ہے کہ جب اُنکے قتل کا وقت قریب آیا تو انھوں نے صفائی کے لئے اُسترہ مانگا، وہ دیدیا گیا، اتفاق سے

ایک کمسن بچہ اُس وقت خبیبؓ کے پاس چلا گیا، ان لوگوں نے دیکھا کہ اُسترہ اُن کے ہاتھ میں ہے اور بچہ اُن کے پاس بیٹھا ہے، یہ دیکھکر گھبرائے، خبیبؓ نے فرمایا کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں بچہ کو قتل کر دوں گا، میں ایسا نہیں کر سکتا،

اس کے بعد اُن کو حرم سے باہر لایا گیا، اور سُولی پر لٹکانے کے وقت آخری خواہش کے طور پر پوچھا گیا کہ کوئی تمنا ہو تو بتاؤ؟ انھوں نے فرمایا کہ مجھے اتنی مہلت دی جائے کہ میں دُو رکعت نماز پڑھ لوں (کہ دنیا سے جانے کا وقت ہے اور اللہ جل شانہٗ کی ملاقات قریب ہے) چنانچہ مہلت دی گئی، انھوں نے دُو رکعتیں نہایت اطمینان سے پڑھیں، اور پھر فرمایا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ یہ سمجھو گے کہ میں موت کے ڈر کی وجہ سے زیادہ دیر کر رہا ہوں تو میں اور لمبی نماز پڑھتا،

حضرت خبیبؓ نے یہ ایک اچھا طریقہ جاری کیا، کہ قتل کے وقت دُو رکعتیں پڑھی جائیں اس کے بعد ہر مسلمان کے لئے یہ طریقہ مسنون ہو گیا،

اس کے بعد حضرت خبیبؓ نے دعا کی کہ یا اللہ کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جو میرا سلام تیرے رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچائے، لہٰذا آپ سلام پہنچا دیجئے. چنانچہ اسی دن حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو خبیبؓ کا سلام پہنچا دیا، آپؐ نے فرمایا وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا خُبَيْبُ، اور آپؐ نے حاضرین سے فرمایا کہ قَتَلَتْهُ قُرَيْشٌ یعنی خبیبؓ کو قریش نے قتل کر دیا!

قتل کرنے کے بعد چالیس؟ دن تک سُولی پر نعش کو لٹکائے رکھا تو زخم سے خون جاری تھا جس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی، جب حضرت خبیبؓ کو زندہ سُولی پر لٹکا دیا تو کفار کے حق میں بد دعا کی،

اَللّٰهُمَّ اَحْصِهِمْ عَدَدًا وَّقْتُلْهُمْ بَدَدًا وَّلَا تُبْقِ مِنْهُمْ اَحَدًا،	"اے اللہ ان میں سے ہر ایک کو تو اپنی شمار میں رکھ اور ہر ایک کو الگ الگ قتل فرما اور ان میں سے کسی کو بھی باقی نہ رکھ"

جس وقت حضرت خبیبؓ یہ دعا کرتے تھے کفار لوگ ڈر رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ

اُن کی یہ بددُعا ضرور رنگ کر رہے گی، ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ یہ لوگ سب ختم ہوگئے، ان میں سے صرف ایک شخص بچا جو بد دعا کے وقت زمین سے چپک گیا تھا، (صحیح بخاری مع شرح فتح الباری)

اور حاشیہ بخاری میں ہے کہ اُن میں سے جو لوگ کفر پر مرے یا مقتول ہوئے اُن کے حق میں یہ دعا قبول ہوتی، اُن میں سے بعض مسلمان ہوگئے تھے، خود عقبہ بھی مسلمان ہوگیا تھا،

حضرت خبیبؓ کو سُولی پر لٹکا کر جب نیزہ سے اُن کا بدن چھلنی کیا گیا، تو اُس وقت اُن سے کافروں نے قسم دے کر پوچھا کہ کیا تجھے یہ پسند ہو کہ تیری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں، حضرت خُبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جواب دیا کہ واللہ العظیم مجھے یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ میں چھوٹ جاؤں اور اس کے بدلہ میں ہمارے آقا روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک قدم میں ایک کانٹا بھی لگے، (فتح الباری)

حضرت خُبیبؓ نے سولی پر چڑھتے ہوئے دشمنوں کے حملہ کے وقت یہ شعر پڑھے

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا ؛ عَلٰی اَیِّ جَنْبٍ کَانَ فِی اللّٰہِ مَصْرَعِیْ

وَذٰلِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَأْ ؛ یُبَارِکْ فِیْ اَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعٖ

اس کے بعد عقبہ بن حارث نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ ؏

چہ خوش رسمے بنا کردند درخاک وخوں غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

"کیا اچھی رسم جاری کی خون اور مٹی میں لوٹنے کی، خدا ان پاکیزہ مزاج عاشقوں پر رحمت کرے"

حضرت خبیبؓ کے پہلے شعر کا مطلب یہ ہے کہ حالتِ اسلام میں قتل ہو رہا ہوں، مسلمان ہوتے ہوئے جان دینا سب سے بڑی کامیابی ہے، بلکہ کامیابی صرف یہی ہے، کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کی حالت میں اس دنیا سے چلا جائے، جب اسلام پر موت آگئی جس سے اللہ کی رضامندی کا یقین ہوگیا، اور جنت کی ابدی نعمتیں ملنے کی خوش خبری مل گئی تو جسم خاکی کے بارے میں یہ سوچنا کہ کس کروٹ سے گرا بے فائدہ ہے،

دوسرے شعر کا مطلب یہ ہے کہ قتل ہونا اللہ جل شانہ کی راہ میں ہے، وہ راضی ہو جائے

تو سب کچھ ہے، اس کی رضا کے لئے لاکھوں جانیں بھی چلی جائیں تو اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور کسی چیز کو مبارک بنانا اللہ پاک کے اختیار میں ہے، وہ برکت دینا چاہے تو پورے جسم میں بھی برکت دے سکتا ہے، اور جسم کے اعضاء الگ کردیئے جائیں تب بھی وہ ان میں برکت دے سکتا ہے اور ان کو باعزت بنا سکتا ہے،

فتح الباری اور ارشاد الساری میں لکھا ہے کہ ابن اسحٰق نے حضرت خبیبؓ کے تیرہ[۱۳] اشعار نقل کئے ہیں، اور ابن ہشام سے نقل کیا ہے کہ جو حضرات اشعار سے واقفیت رکھتے ہیں ان کا بیان ہے کہ تمام (اشعار یا دو کے علاوہ باقی اشعار) حضرت خبیبؓ کے نہیں ہیں، بہرحال اس میں شک نہیں کہ حضرت خبیبؓ نے مذکورہ دو شعر شہادت کے وقت پڑھے تھے، جو بخاری شریف میں مذکور ہیں،

علامہ عینیؒ نے شرح بخاریؒ میں دس اشعار نقل کئے ہیں جن میں مذکورہ دو شعر بھی ہیں

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں لکھتے ہیں اس حدیث سے (جس میں حضرت خبیبؓ اور حضرت عاصمؓ اور حضرت زید رضی اللہ عنہم کا قصہ مذکور ہے) یہ مسائل و فوائد معلوم ہوتے ہیں؛

۱۔ کوئی مسلمان کافروں کی قید میں آجائے تو اس کو کافروں کی امان قبول کرنے سے انکار کرنا درست ہے (جیسا کہ حضرت عاصمؓ اور ان کے ساتھیوں نے کیا) اور رخصت پر عمل کرنے کی بھی گنجائش ہے، یعنی یہ کہ کافروں سے امان طلب کرے (جیسا کہ باقی تین حضرات نے کیا)۔

۲۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکین سے کوئی عہد ہو تو اس کو پورا کرے، اور اگر ان کی اولاد پر قابو ہو جائے تو اس امید پر کہ شاید یہ مسلمان ہو جائے قتل نہ کرنا، ثابت ہے،

۳۔ کراماتِ اولیاء کا بھی ثبوت ہوا کہ اللہ جل شانہٗ نے حضرت خبیبؓ کو بے موسم انگور

دیے، اور حضرت خُبیبؓ اور حضرت عاصمؓ کی دُعا، اور خواہش پر اُن کے قتل کی خبر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچا دی،

۴۔ مشرکین پر عمومی طور پہ بد دعا کرنا بھی ثابت ہوا،

۵۔ قتل ہوتے وقت نماز پڑھنے کا ثبوت ملا،

۶۔ قتل ہوتے وقت شعر پڑھنا ثابت ہوا،

۷۔ حضرت خُبیبؓ کے پختہ یقین اور دین میں مضبوط ہونے کا پتہ چلا،

۸۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہٗ کو اختیار ہے جس بندہ کو جس طرح چاہے آزمائش میں ڈالے،

۹۔ مسلم کی دعا قبول ہوتی ہے،

۱۰۔ اللہ تعالیٰ زندگی میں اور موت کے بعد مؤمن بندوں کا اکرام فرماتے ہیں، کہ شہد کی مکھیاں بھیج دیں اور حضرت عاصمؓ کے جسم کو کافروں سے بچالیا،

تکملہ

علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں حضرت خُبیبؓ کے دس اشعار نقل کئے ہیں، جو مع ترجمہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ لقد جمع الاحزاب حولی والبوا ❊ قبائلھم واستجمعوا کل مجمع

"اس میں شک نہیں کہ بہت سی جماعتیں میرے ارد گرد جمع ہو گئی ہیں، اور انھوں نے اپنے قبیلوں کو جمع کرلیا ہے اور پوری طرح جمع ہو گئے ہیں۔"

۲۔ وقد قربوا ابناءھم ونساءھم ❊ وقربت من جزع طویل ممنع

"اور تحقیق انھوں نے اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں کو نزدیک کرلیا ہے، اور میں ایک لمبی گھبراہٹ کے قریب کر دیا گیا ہوں جو ختم کی جا رہی ہے۔"

۳۔ وکلھم یبدی العداوۃ جاھدا ❊ علی لانی فی وثاق بمضیع

"اور ان میں سے ہر ایک خوب کوشش کر کے مجھ پر دشمنی ظاہر کر رہا ہے، کیونکہ میں

بیڑیوں میں بندھا ہوا ہوں اور ہلاک ہونے کی جگہ ہوں "

۴۔ الی اللہ اشکوا غربتی بعد کربتی ٭ وما جمع الاحزاب لی عند مصرعی

"اللہ ہی کے حضور میں اپنی بے بسی اور بے چینی کی اور ان چیزوں کی شکایت کرتا ہوں جو جماعتوں نے میرے لئے پچھاڑنے کے وقت جمع کی ہیں"

۵۔ فذا العرش صبرنی علی ما اصابنی ٭ وقد بضعوا لحمی وقد قل مطمعی

"اے عرش والے مجھے صبر دے اس مصیبت پر جو مجھے پہنچی ہے، اور حال یہ ہے کہ انھوں نے میرے گوشت کے ٹکڑے کر دیئے ہیں، اور آرزو کی گنجائش بہت کم ہے"

۶۔ وذلک فی ذات الالٰه وان یشأ ٭ یبارک علی اوصال شلو ممزع

"اور یہ اللہ کی ذات کے بارے میں ہے، کہ اگر وہ چاہے تو ٹکڑے کئے ہوئے جسم کے اعضاء میں برکت دیدے گا"

۷۔ وقد عرضوا بالکفر والموت دونه ٭ وقد ذرفت عینای من غیر مدمع

"یہ لوگ اپنے کفر کی وجہ سے پیش آئے ہیں، حالانکہ موت اس سے ورے ہے، (یعنی انکو اپنی موت کی فکر نہیں ہے جو جلد آجانے والی ہے، جس کے بعد کفر کی غیر متناہی سزا ہوگی) اور حال یہ ہے کہ میری آنکھیں رو رہی ہیں مگر آنسو نہیں ہیں"

۸۔ ومابی حذار الموت انی لمیت ٭ ولکن حذاری حر نار تلفع

"اور مجھے موت کا ڈر نہیں ہے میں ضرور مرنے والا ہوں لیکن میرا ڈر لپٹ جانیوالی (دوزخ) کی آگ سے ہے (اللہ مجھے اس سے بچائے)"

۹۔ فلست بمبد للعدو تخشعا ٭ ولا جزعا انی الی اللہ مرجعی

"پس میں دشمن کے سامنے عاجزی ظاہر کرنے والا نہیں ہوں اور نہ گھبراہٹ ظاہر کرنے والا ہوں، بلاشبہ میں اللہ کی طرف لوٹایا جا رہا ہوں"

۱۰۔ ولست ابالی حین اقتل مسلما ٭ علی ای شق کان للہ مضجعی

"اور میں جس وقت مسلمان ہونے کی حالت میں شہید کر دیا جاؤں اس وقت کچھ پرواہ نہیں کرتا کہ کس پہلو پر میرا پچھاڑا جانا ہوتا ہے"

(۲۷) ع • آلا کُلُّ شَیْءٍ مَّا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلُ

ترجمہ: "خبردار اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے"

اس کا دوسرا مصرع یہ ہے:۔

وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَّا مَحَالَۃَ زَائِلُ

ترجمہ: "اور بلاشک وشبہ ہر نعمت زائل ہونے والی ہے"

شرح بخاری شریف میں صرف پہلا مصرع مروی ہے، جسے امام بخاریؒ نے باب ایام الجاہلیۃ ص ۵۴۱ ج ۱ میں اور کتاب الآداب (ص ۹۰۸ ج ۲ باب مایجوز من الشعر والرجز) میں اور کتاب الرقاق ص ۹۶۰ ج ۲ میں روایت فرمایا ہے، دوسرا مصراع جو ہم نے اس کے بعد لکھ دیا ہے سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے، شعر حضرت لبید بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، جو اُن کے ایک قصیدہ کا جزو ہے، جو دس اشعار پر مشتمل ہے،

حضرت لبیدؓ بہت بڑے شاعر تھے، فصاحت وبلاغت میں اُن کا مقام بہت بلند مانا جاتا تھا، "سبعہ معلقہ" میں چوتھے نمبر پر جو قصیدہ ہے وہ اُن کا ہی ہے، بہت بڑے گھوڑا سوار تھے، اور حکمت ودانش کی باتیں اُن کے ذہن پر وارد ہوتی تھیں، کنیت ابو عقیل تھی، انھوں نے اپنا یہ شعر "آلا کُلُّ شَیْءٍ مَّا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلُ (خبردار ہر چیز اللہ کے علاوہ فنا ہونے والی ہے) زمانۂ اسلام سے پہلے جاہلیت میں کہا تھا، فتح الباری میں لکھا ہے کہ بعد میں وہ مسلمان ہوگئے تھے، خلافتِ عثمانیؓ کے دور میں کوفہ میں وفات پائی، ان کی عمر ایک سو پچاس سال ہوئی، اور اس سے زیادہ عمر کا بھی قول ہے اھ، الاکمال میں صاحبِ مشکوٰۃ نے ان کی عمر ۱۴۰ بتائی ہے، اور لکھا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ایک سو ستاون سال کی عمر میں اُن کی وفات ہوئی، بہرحال طویل عمر پائی،

وفد بنی کلاب کے ساتھ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا اور قبولِ اسلام کے بعد شعر کہنا چھوڑ دیا، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کے اشعار کے بارے میں جو اُن سے گفتگو کی تو فرمایا کہ مجھے اللہ جل شانہٗ نے شعر کے بدلہ میں سورۂ بقرہ دیدی ہے، (اب شعر کہنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت نے شعر گوئی کی طرف سے

دل پھیر دیا،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شعرائے عرب نے جو اشعار کہے ہیں ان میں سب سے زیادہ سچا شعر لبیدؓ کا شعر ہو،

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلُ

خبردار ہر چیز اللہ کے علاوہ باطل ہے"

روایت سے ظاہر ہے کہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت لبیدؓ کے اس شعر کو بہت پسند فرمایا، اور کلامِ عرب میں اس کو سب سے زیادہ سچا کلام قرار دیا، یہاں علماء نے اشکال ظاہر کیا ہے، کہ ہر چیز کو باطل یعنی فنا ہونے والی کیوں بتایا، جبکہ جنت دوزخ اور اُن میں مستقل طور پر داخل ہونے والے ہمیشہ رہیں گے، اور دوزخ کا عذاب اور جنت کی نعمتیں بھی ہمیشہ رہیں گی،

اس اشکال کے دو جواب دیئے گئے ہیں، ایک جواب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اور دوام دونوں ذاتی اور حقیقی ہیں، کسی کے وجود دینے سے اس کا وجود نہیں ہے، اور کسی کے باقی رکھنے سے اس کی بقاء نہیں ہے، رہا مخلوق کا وجود اور دوام تو چونکہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی اور ذاتی وجود کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اور اس کا وجود مجازی ہے، اور جب تک جس کو بقاء ہے محض اللہ جل شانہٗ کے باقی رکھنے سے ہے، اس لئے مخلوق کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کی ہر چیز فانی ہے، یعنی اس کا وجود حقیقی اور ذاتی نہیں ہے یہ بالکل درست ہو،

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شاعر نے جو یہ کہا کہ اللہ کے سوا سب باطل یعنی فانی ہو اس کا مقصد یہ ہو کہ اللہ کی ذات اور اس کی صفاتِ ذاتیہ اور فعلیہ جن میں رحمت و عذاب بھی ہے باقی رہے گی، اور اُن کے مظاہر بھی باقی رہیں گے، جو جنت اور دوزخ کی صورت میں ہوں گے،

شاعر کے دوسرے مصرع :-

وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَۃَ زَائِلُ

"اور ہر نعمت بلاشک و شبہ زائل ہونے والی ہو"

اس پر بھی یہی اشکال ہوتا ہے کہ جنت کی نعمتیں تو ابدی ہیں اور دائمی ہیں، پھر یہ کیسے کہا کہ ہر نعمت کو زوال ضروری ہے،

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ شعر زمانۂ جاہلیت میں کہا تھا، جب شاعر جنت و دوزخ کا عقیدہ نہیں رکھتا تھا، اس لئے اُس وقت جو سمجھ میں آیا کہہ دیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مصراع کی تعریف منقول ہے، دوسرے مصرع کی تعریف فرمانا منقول نہیں ہے،

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے دنیاوی نعمتیں مراد ہیں، جو سب ختم ہو جائیں گی، ان نعمتوں پر بھروسہ کرنا بیوقوفی ہے، البتہ ایمان اور اعمالِ صالحہ باقیات صالحات ہیں جو آخرت میں کام آنے والی نعمتیں ہیں، اگرچہ اُن کا حصول دنیا میں ہوتا ہے،

(ماخوذ از فتح الباری وعمدۃ القاری وحاشیہ بخاری، ص ۹۶۰، ج ۱)

وَمَاذَا بِالْقَلِيْبِ قَلِيْبِ بَدْرٍ ﴿۲۸﴾ مِنَ الشِّيْزٰى[1] تُزَيَّنُ بِالسَّنَامِ

وَمَاذَا بِالْقَلِيْبِ قَلِيْبِ بَدْرٍ ﴿۲۹﴾ مِنَ الْقَيْنَاتِ وَالشَّرْبِ الْكِرَامِ

تُحَيِّيْ بِالسَّلَامَةِ اُمُّ بَكْرٍ ﴿۳۰﴾ وَهَلْ لِيْ بَعْدَ قَوْمِيْ مِنْ سَلَامِ

يُحَدِّثُنَا الرَّسُوْلُ بِاَنْ سَنَحْيَا ﴿۳۱﴾ وَكَيْفَ حَيَاةُ اَصْدَاءٍ وَّهَامِ

(صحیح بخاری، ص ۵۵۸، ج ۱، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ)

---

[1] الشیزی بکسر المعجمۃ وسکون التحتیۃ بعدہا زاء مقصورۃ وہو شجر تتخذ منہ الجفان والقصاع التی یعمل فیہا الثرید فاراد بالشیزی ما یتخذ منہا وبالجفنۃ صاحبہا کانہ قال وماذا بالقلیب من اصحاب الجفان الملأی بلحوم اسنمۃ الابل قولہ والقینات ای وماذا بہ من اصحاب المغنیات والشرب بفتح المعجمۃ وسکون المہملۃ جمع شارب کصحب وصاحب وتجر وتاجر والمراد بہم الندامی وقولہ اصداء جمع صدی وہو ذکر البوم وہام جمع ہامۃ بتخفیف المیم وہو الصدی ایضا فہو عطف تفسیری وقیل الصدی الطائر الذی یطیر باللیل والہامۃ جمجمۃ الرأس وہی التی یخرج منہا الصدی بزعمہم واراد الشاعر انکار البعث بہذا الکلام کانہ یقول اذا صار الانسان کہذا الطائر کیف یصیر مرۃ اخری انسانا؟ وقال اہل اللغۃ کان اہل الجاہلیۃ یزعمون ان روح القتیل الذی لا یدرک بثأرہ تصیر ہامۃ فتزقو عند قبرہ وتقول اسقونی اسقونی واذا ادرک بثأرہ طارت وذہبت وقیل کانوا یزعمون ان عظام المیت وقیل روحہ تصیر ہامۃ یطیر ویسمونہ الصدی (من فتح الباری وارشاد الساری)

ترجمہ (۲۸) "اور کیا بتاؤں بدر کے کنویں میں کیا کیا ہے؟ بڑے بڑے پیالوں والے لوگ ہیں جن کے پیالے مزتی کئے جاتے تھے اونٹوں کے کوہان کے گوشت سے"

(۲۹) "اور کیا بتاؤں کیا کیا ہے بدر کے کنویں میں؟ گانے والی عورتوں کے مالک ہیں اور معزز شریف لوگ ہیں جو شراب پینے والے تھے"

(۳۰) "سلامتی کی دعا دیتی ہے ام بکر اور کیا میرے لئے میری قوم کے بعد کوئی سلامتی ہے؟"

(۳۱) "رسول ہم سے بیان کرتا ہے کہ ہم عنقریب زندہ ہوں گے، اور کیسے ہوگا زندہ ہونا اُلّو اور کھوپڑیاں بن جانے کے بعد؟"

شرح سنہ ۲ھ میں مقام بدر میں جو مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو آتے ہوئے ایک سو ساٹھ کیلو میٹر کی مسافت پر ہے، مسلمانوں کی اور مشرکین مکہ کی جنگ ہوئی تھی، مشرکین مکہ بڑے کروفر سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے، اور اُن کی تعداد ایک ہزار تھی، اور مسلمان تین سو تیرہ تھے، اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی و فتح نصیب فرمائی، اور مشرکین مکہ کو عبرتناک شکست ہوئی، اُن کو سخت ذلت کا مُنہ دیکھنا پڑا، اُن کے ستر آدمی مارے گئے جن میں بڑے بڑے سردار بھی تھے، اور ستر آدمی قید کر لئے گئے جن کو مدینہ منورہ لیجایا گیا جو مشرک اس موقع پر قتل ہوئے تھے اُن میں سے چوبیس آدمیوں کو جو بڑے بڑے سردار تھے بدر کے کنویں میں ڈال دیا گیا تھا، ایک شاعر نے اُن کافروں کا مرثیہ کہا، جو چند اشعار پر مشتمل تھا، جن میں سے چار شعر یہ ہیں جو اوپر نقل کئے گئے، شاعر کا نام شداد بن الاسود تھا اور کنیت ابوبکر تھی، دوسری کنیت ابن شعوب تھی، شعوب اس کی ماں کا نام تھا، حافظؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ ابن حبیبؒ نے اس شاعر کا نام عمرو بن شمر بتایا ہے اور اُس کے بہت سے اشعار نقل کئے ہیں، جو اُس نے زمانۂ کفر میں کہے تھے، بعد میں وہ مسلمان ہوگیا تھا، لیکن ابو عبیدہ کا قول ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ مرتد ہوگیا تھا، اُس کافر کو اپنے ہم مذہب مشرکین کی شکست پر بہت قلق تھا اُس نے اپنے رنج وغم کی بھڑاس نکالنے کے لئے یہ مرثیہ کہا،

اشعار کا مطلب خلاصہ یہ ہے کہ مال و دولت والے سردار بدر کے کنویں میں ڈالے گئے،

جو بڑے سخی تھے، جن کے دستر خوان پر خوب بڑے بڑے پیالوں میں اونٹ کے کوہان کے گوشت پکے ہوئے اور بھونے ہوئے رکھ دیئے جاتے تھے، اور یہ بھرے ہوئے پیالے دیکھنے میں خوبصورت معلوم ہوتے تھے، گانے والی عورتوں کے بھی مالک تھے، جو شراب پیتے تھے، اُن کا شمار معزز لوگوں میں ہوتا تھا، ہر شخص مرثیہ میں وہی کہتا ہے جو مرنے والے میں دیکھتا ہے، ان کافروں میں شراب و کباب کا دَور رہتا تھا، عورتیں اُن کی ڈیوڑھیوں پر گاتی رہتی تھیں اور حاضرین سنتے تھے، شاعر نے اسی کا ذکر کر دیا، کسی مؤمن کا مرثیہ کوئی شخص لکھتا ہے تو اس کے جہاد اور ہجرت و نماز کا ذکر کرتا ہے،

اُمِّ بکر شاعر کی بیوی تھی، اس کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ ہم کو سلامتی کی دعاء دیتی ہے حالانکہ اپنی قوم کی ہلاکت کے بعد اب سلامتی کہاں ہے، یہ کہہ کر شاعر انکارِ بعث کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور قیامت کا منکر ہوتا ہے، وہ کہتا ہے کہ جو صاحب رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ یہ بتاتے ہیں کہ ہم لوگ مُردہ ہونے کے بعد عنقریب پھر زندہ ہوں گے، حالانکہ جب اُلّوؤں اور کھوپڑیوں کی آوازیں آنے لگیں تو زندگی دوبارہ لوٹنے کا کیا موقعہ ہے،

اُلّوؤں اور کھوپڑیوں کی آوازوں کا مطلب یہ ہے کہ عرب کے جاہل زمانۂ شرک میں جو طرح طرح کے بیہودہ عقائد اور اوہام میں مبتلا تھے، اُن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ میت کی روح یا اس کی ہڈیاں کھوپڑی کی طرح سے ایک جانور بن کر اُڑ جاتی ہیں، جو اُلّو کی طرح بولتا پھرتا ہے، اور بعض لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ جس مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے اُس کی روح ایک کھوپڑی بن جاتی ہے، اور اُس کی قبر کے پاس اُسْقُوْنِیْ اُسْقُوْنِیْ کہہ کر پکارتی ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ "مجھے قاتل کا خون پلاؤ" جب قاتل سے بدلہ لے لیا جاتا ہے تو وہ اُڑ جاتی ہے، اور چلی جاتی ہے،

بہرحال شاعر کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مر کھپ جائے تو انسان کی روح یا ہڈیوں کا اُلّو بنے گا، تو اب زندہ کیسے ہوگا؟

قرآن مجید میں جگہ جگہ منکرینِ بعث کی باتیں اور اُن کے ٹھوس جوابات دیئے گئے، سورۂ یٰسین میں ارشاد ہے:-

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○	"اور انسان نے ہماری شان میں ایک عجیب مضمون بیان کیا ہو اور اپنی اصل کو بھول گیا، کہتا ہو کہ ہڈیوں کو جب کہ بوسیدہ ہوگئی ہوں کون زندہ کرے گا ؟

اس کے بعد فرمایا :۔

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ○	"آپ جواب دیجئے کہ اُن کو وہ زندہ کریگا جس نے اوّل بار میں اُن کو پیدا کیا ہو،

اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے" (بیان القرآن)

یہ انسان کا سوال بڑی حماقت اور بیوقوفی کا ہے کہ جب ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوگئیں، تو اُن میں زندگی کیسے آئے گی ! جو لوگ یہ بات کہتے ہیں یہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ نے سب کو پیدا کیا ہے، بھلا جس نے شروع میں پیدا کر دیا وہ دوبارہ کیوں نہ پیدا کر سکے گا،

جس شاعر کے یہ اشعار ہیں اس کی کنیت ابو بکر تھی، اور اس کی بیوی اُم بکر تھی، یہ عورت قبیلہ بنی کلب کی تھی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت سے قبل اس سے نکاح فرمایا تھا، جب حضرت صدیق رضؓ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو اس کو طلاق دیدی، جس کے بعد اُس نے اپنے چچازاد بھائی شداد بن الاسود سے نکاح کر لیا اس کی کنیت بھی ابو بکر تھی، اور یہ شخص وہی ابو بکر تھا جس کے اشعار کی تشریح ابھی گذری، بعض لوگوں کو دھوکہ ہوگیا کنیت مشترک ہونے کی وجہ سے اور اُم بکر کے یکے بعد دیگرے) دونوں کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے ان اشعار کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کرنے لگے۔۔۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی سختی سے اس کی تردید فرمایا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ یہ اشعار ابو بکر صدیق رضؓ کے نہیں ہیں، بلکہ دوسرے ابو بکر کے ہیں، جو کافر تھا، حضرت صدیق رضؓ کو بھلا کافروں کی شکست پر کیوں دُکھ ہونے لگا، کافروں کی شکست پر کافر ہی کو رنج ہو سکتا ہے، (فتح الباری)

اب غزوۂ بدر کے کچھ تفصیلی حالات لکھے جاتے ہیں :۔

غزوۂ بدر کی تاریخ اسلام میں بہت اہمیت ہے، قرآن مجید میں اس کو یوم الفرقان (فیصلہ کا دن) فرمایا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کے ساتھ مقام بدر تشریف لے گئے، اور مشرکین مکہ اپنے شہر سے چل کر آئے، مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور مشرکین اُن سے تعداد میں تین گنا سے بھی زیادہ تھے، مسلمانوں کے پاس ہتھیار بھی بہت معمولی تھے اور تھوڑے سے تھے، اور سواریاں بھی کم تھیں، اور مدینہ منورہ سے چلے تو تو ہر تین آدمی کو ایک اونٹ دیا گیا تھا، نمبروار اترتے اور چڑھتے ہوئے پورا سفر طے کیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اونٹ میں شریک تھے، جب آپؐ کے پیدل چلنے کا نمبر آتا تھا تو وہ دونوں عرض کرتے تھے کہ یا رسول اللہ آپ سواری پر ہی تشریف رکھیں ہم آپؐ کی طرف سے پیادہ چل لیں گے، آپؐ جواب میں ارشاد فرماتے:

مَا أَنْتُمَا بِأَقْوَىٰ مِنِّي وَمَا أَنَا بِأَغْنَىٰ عَنِ الْأَجْرِ مِنْكُمَا۔[۱]	"یعنی تم دونوں مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو اور نہ میں ثواب کا تم سے کم محتاج ہوں"

تو مسلمانوں کا یہ سفر اسی طرح طے ہوا، مشرکین مکہ خوب ہتھیار لائے تھے، کھانے پینے کا سامان بھی اُن کے پاس بہت تھا، ہر منزل پر اونٹ ذبح کرتے، اور کھاتے پیتے تھے، اس گھمنڈ میں تھے کہ اسلام اور مسلمان کا نام و نشان مٹا دیں گے، لیکن اللہ جل شانہٗ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپؐ کے ساتھیوں کی زبردست مدد فرمائی، حضرات صحابہؓ نے آپؐ کے لئے ایک چھپر سا ڈال دیا تھا، جس کے نیچے آپؐ نے قیام فرمایا اور بارگاہِ خداوندی میں بہت لمبی دُعا کی، اس موقع پر آپؐ نے دو رکعت نماز پڑھی اور بہت لمبا سجدہ کیا، اُس وقت آپؐ پر ناز کی کیفیت تھی، آپؐ نے اسی ناز میں عرض کر دیا کہ اے اللہ اگر یہ چھوٹی سی جماعت آج ہلاک ہو گئی تو آئندہ دنیا میں کوئی آپ کی عبادت کرنے والا نہیں رہے گا کیونکہ اور کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، اگر یہ اہل ایمان ختم ہو گئے

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳۴۰،

آئندہ ایمان کی دعوت دینے والا اور اللہ کی عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہیگا) اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی چادر لے کر (جو الحاح وزاری میں دوش مبارک سے گر گئی تھی) آپ کے دونوں مونڈھوں پر ڈال دی، پھر پیچھے سے آپ کو چمٹ کر عرض کیا کہ یانبی اللہ! آپ نے اپنے رب سے بہت زیادہ عرض معروض کرلی، وہ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا، چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی :-

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ[1]	"یعنی اس وقت کو یاد کرو جبکہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں تم کو

ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلہ وار چلے آئیں گے"

دعا سے فارغ ہو کر آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے حجرے سے باہر تشریف لائے :-

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ	"دشمنوں کی جماعت عنقریب شکست کھائیگی اور پشت پھیر کر بھاگیں گے"

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ مشرکین میں سے فلاں شخص فلاں جگہ مقتول ہو کر گرے گا، اور فلاں شخص فلاں جگہ مقتول ہو کر گرے گا، جب جنگ ہوئی تو ایسا ہی ہوا، جس مشرک کے گرنے کی جو جگہ بتائی تھی ہر ایک اسی جگہ پڑا ملا، ذرا بھی ادھر ادھر نہیں ہوا، اس جنگ میں فرشتوں نے بھی شرکت فرمائی' سورۂ انفال کی جو آیت اوپر درج کی گئی ہے اس میں ایک ہزار فرشتے بطور مدد بھیجنے کا ذکر ہے، سورۂ آلِ عمران میں تین ہزار پھر پانچ ہزار کی تعداد مذکور ہے،

بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ اوّل اللہ جل شانہٗ نے ایک ہزار فرشتے بھیجے، پھر مزید تعداد بڑھا کر تین ہزار کر دیئے، پھر اور اضافہ فرمایا حتیٰ کہ پانچ ہزار ہو گئے[2]

---

[1] از بخاری و فتح الباری ۱۲   [2] حاشیہ بخاری، ص ۵۶۳ ج ۲،

جو ستر آدمی مشرکین کے مقتول ہوئے ان میں ابوجہل بھی تھا اور امیہ بن خلف بھی تھا، یہی وہ امیہ ہے جو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت سزا دیا کرتا تھا، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر سے پہلے ایک موقع پر جب کہ عمرہ کے لئے مکہ معظمہ تشریف لیگئے تھے اُمیہ کو بتادیا تھا کہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تجھے قتل کر دیں گے یہ بات اُس کے ذہن میں تھی، جنگ کے لئے آنا نہیں چاہتا تھا، مگر ابوجہل اس کو سمجھا بجھا کر لے ہی آیا، اور بالآخر دونوں مقتول ہوئے، ابوجہل کو دو انصاری لڑکوں نے قتل کر دیا تھا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو تو ابوجہل کا کیا ہوا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے گئے، تو دیکھا کہ وہ مقتولین کی نعشوں کے درمیان پڑا ہے، اور ابھی اس میں کچھ جان باقی ہے، حضرت ابن مسعودؓ نے اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر فرمایا، تو ابوجہل ہے، اللہ نے تجھے رُسوا کر دیا، کہنے لگا اتنی سی ہی تو بات ہے کہ ایک آدمی کو اس کی قوم نے قتل کر دیا، اور بعض روایات میں ہے کہ اُس نے کہا کاش! مجھے کوئی ایسا شخص قتل کرتا جو کاشتکار نہ ہوتا (یہ انصار کے لڑکوں کی طرف اشارہ تھا، یہ اس نے بطور تعلّی کے کہا کہ میں تو سردار قریش ہوں، کوئی قریشی سردار ہی مجھے قتل کرتا، کاشتکاروں کے ہاتھوں قتل ہونے سے گویا اپنی اہانت محسوس کی) اللہ جل شانہٗ نے اس کو خوب ذلیل کیا اوّل تو نوعمر لڑکوں نے قتل کیا، پھر وہ بھی اس قبیلہ سے تھے جن کے ہاتھ قتل ہونے میں اس نے اپنی بے آبروئی سمجھی، دو لڑکوں کے تلوار مارنے سے قریب الموت ہو گیا، پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ بالا باتیں کر کے اس کا سر کاٹ کر بارگاہِ رسالتؐ میں پیش کر دیا اور عرض کیا هٰذَا رَأْسُ عَدُوِّ اللّٰهِ اَبِیْ جَهْلٍ (یہ اللہ کے دشمن ابوجہل کا سر ہے)

حضرت ابوطلحہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے موقع پر قریش کے ۲۴ سرداروں کے لاشوں کے بارے میں حکم دیا کہ اُن کو بدر کے ایک کنویں میں ڈال دیا جائے، چنانچہ اُن کو ایک بہت بدترین خبیث کنویں میں ڈال دیا، آپ کا یہ طریقہ تھا کہ جب کسی قوم کے مقابلہ میں فتح یاب ہوتے تھے تو وہاں تین دن قیام فرماتے تھے، یہاں بھی تین دن قیام فرمایا تیسرے دن سواری پر سوار ہو کر اُس کنویں کے پاس تشریف لے گئے، آپ کے

ساتھ صحابہ کرامؓ بھی تھے وہاں پہنچ کر کنویں کے کنارے کھڑے ہوگئے، اور جن لوگوں کی نعشیں اُس میں پڑی ہوئی تھیں ولدیت کے ساتھ اس کے نام لے لیکر خطاب فرمایا، کہ اے فلاں ابن فلاں اور فلاں ابن فلاں کیا تم کو یہ بات خوش کرنے والی نہیں ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے؟ ہم نے تو اس کو حق پایا جو ہمارے ربّ نے ہم سے وعدہ کیا تھا، تو کیا تم نے بھی اس کو حق پایا جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! جن جسموں میں روح نہیں ہے آپ اُن سے کیا بات فرما رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا قسم اُس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم اس کو ان لوگوں سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، یعنی یہ لوگ بھی اسی طرح سُن رہے ہیں جیسے تم سُن رہے ہو،

حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن میں زندگی پیدا فرمادی تھی یہاں تک کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول سُنوا دیا جس سے اُن کی سرزنش اور ذلت اور نقمت اور حسرت اور ندامت مقصود تھی[۱]

جن لوگوں کو قید کیا گیا تھا وہ بھی ستّر آدمی تھے، اُن میں حضرت عباسؓ بھی تھے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، یہ بعد میں مسلمان ہوئے، ان قیدیوں کو مالِ عوض لے کر چھوڑا گیا[۲]

اشعار کے حل کرنے کی حد تک تو تین چار صفحات ہی میں مضمون پورا ہوگیا تھا لیکن ہم نے چاہا کہ مسلمانوں کی عظیم الشان فتح کا تذکرہ کرکے خوشی کا اظہار کریں جیسا کہ شداد بن الاسود نے مشرکین کی شکست پر اظہارِ رنج کے لئے مرثیہ کہا تھا، کافر کو کافروں کی شکست سے رنج ہوا اور مؤمن کو اہلِ ایمان کی فتح سے خوشی ہوئی،

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مُؤْمِنِیْنَ

---

[۱] بخاری، فتح الباری ۱۲ [۲] جمع الفوائد ۱۲

(۳۲) ع وَفِیْنَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ

ترجمہ: "اور ہمارے اندر ایک نبیؐ ہیں جو کل ہونے والی بات جانتے ہیں"

شرح حضرت رُبَیِّعؓ بنت مُعَوِّذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس روز میری رخصتی ہوئی اس کے دوسرے دن صبح کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، اور میرے بستر پر ایسے ہی قریب تشریف فرما ہو گئے جیسے تم بیٹھے ہو (یہ انھوں نے اپنے شاگرد خالد بن ذکوانؒ سے فرمایا) اُس وقت چند چھوٹی چھوٹی لڑکیاں دَف پیٹ رہی تھیں، اور جنگِ بدر میں جو میرے آباء شہید ہو گئے تھے اُن کی تعریف میں شعر پڑھ رہی تھیں اسی اثناء میں اُن میں سے ایک لڑکی نے یہ مصرع پڑھ دیا:-

وَفِیْنَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ (اور ہم میں ایک نبیؐ ہیں جو کل ہونے والی بات جانتے ہیں) یہ سُنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مت کہہ جو پہلے کہہ رہی تھی وہی کہہ، (صحیح بخاری ص ۵۷۰ ج ۲ باب بعد شہود الملائکۃ بدراً، و ص ۷۷۳، ج ۲ باب ضرب الدف فی النکاح)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں حضرت رُبَیِّعؓ کے والد معوّذؓ اور چچا عوفؓ یا عوذ شہید ہو گئے تھے، اور دیگر اقارب جیسے حارثہ بن سراقہؓ بھی شہید ہوئے تھے، اُن سب کو ملا کر تغلیباً یہ فرمایا کہ میرے آباء جو شہید ہوئے تھے، چند لڑکیاں ان کی تعریف میں اشعار پڑھ رہی تھیں،

اس قصہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی کی طرف غیب دانی کی نسبت کرنا ممنوع ہے، کیونکہ ایک لڑکی نے جب یہ کہا کہ ہمارے اندر ایک نبیؐ ہیں جو کل ہونے والی بات جانتے ہیں تو آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مت کہہ وہی کہہ جو پہلے کہہ رہی تھی، اھ

سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے، سنن ابن ماجہ میں یوں ہے کہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- اَمَّا ھٰذَا فَلَا تَقُوْلُوْہُ مَا یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ اِلَّا اللّٰہُ (یعنی یہ بات مت کہو کیونکہ کل کو جو کچھ ہوگا، اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے)۔

اس مصراع کے ساتھ دوسرا مصراع تھا یا نہیں اور یہ مصراع خود اس لڑکی کی زبان

ے نکل گیا، یا کسی دوسرے صاحب نے کہا تھا اس کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا،
اس قصہ میں دف بجانے کا بھی ذکر ہے، بہت سے ناواقف صوفی اور لوگوں کی نفسانی خواہشات کے مطابق احکام تراشنے والے نئے مجتہد اس سے مروجہ سماع اور گانے بجانے کی محفلوں اور قوالیوں کی مجلسوں کا نہ صرف جواز بلکہ استحباب ثابت کرتے ہیں، یہ اُن لوگوں کی جہالت ہے، کہاں ناسمجھ چھوٹی چھوٹی بچیوں کا دف بجانا وہ بھی بے تکے طریقے پر جس میں ڈھب ڈھب کے سوا کوئی آواز نہ تھی، نہ گھونگرو لگے ہوئے نہ دوسرا کوئی ساز تھا، نہ بچیاں موسیقی جانتی تھیں، اور کہاں موجودہ سماع اور گانے بجانے کی مجلسیں جن میں بنی سجی عورتیں یا بے ریش لڑکے یا بے ریش لڑکوں جیسی صورت بنائے ہوئے قوال گا رہے ہوں، ہارمونیم بج رہا ہو طبلہ کی تھاپ ہو اور سارنگی کی آواز ہو، ان مجلسوں اور محفلوں کے حرام ہونے میں نہ کسی مفتی اور فقیہ کو شک نہ کسی صاحب شریعت صوفی کو، خوب سمجھ لو۔
بہت سے لوگ حُبِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا دعویٰ کرتے ہیں، اور محبت کے جھوٹے غلبہ میں قرآن و حدیث کی صاف تصریحات کو بھی پشت کے پیچھے ڈال دیتے ہیں، اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہنے سے روک دیا کہ تمہارے اندر ایک نبیؐ ہیں جو کل ہونے والی بات جانتے ہیں" لیکن مدعیانِ محبت کو اس کی ضد ہے کہ آپؐ کو "عالم الغیب" کہیں، جب کوئی شخص اپنی ذاتی نکالی ہوئی بات کی پچ میں پڑ جاتا ہے تو اُس کی سمجھ میں حق بات اُتارنا بہت مشکل ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے،
آخر میں اتنی بات اور رہ جاتی ہے کہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت رُبیّع رضؓ کے پاس کیسے تشریف فرما ہوئے جبکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ خاتون آپؐ کی محرم تھیں؟ اس سوال کے کئی جواب ہیں۔
اوّل، یہ کہ یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے، کیونکہ غزوۂ بدر کے چند دن بعد ہی حضرت ربیّع رضؓ کی شادی ہوئی تھی، غزوۂ بدر ۲ھ میں ہوا تھا جبکہ پردہ کا حکم ۵ھ میں حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمانے کے

بعد اس وقت نازل ہوا جب حضرات صحابہؓ کو ولیمہ کھانے کے لئے بلایا تھا، اور چند آدمی آپ کے گھر میں رہ گئے تھے،

دوسرے اس کی کوئی دلیل نہیں کہ مذکورہ خاتون نے منہ کھول رکھا تھا، اور خلوت تو بہر حال تھی ہی نہیں، کیونکہ وہاں چند لڑکیاں موجود تھیں، بہت سے پیر فقیر بالکل بے محابا مریدنیوں کے پاس گھروں میں بلا پردہ چلے جاتے ہیں، اور عورتوں کو یہ سمجھا رکھا ہے کہ پیر میاں ہیں ان سے کیا پردہ ہے، ایسے جاہل اور بے عمل پیر نہ شریعت سے واقف ہیں نہ طریقت کو جانتے ہیں، خود تو ڈوبے ہیں مریدوں کو بھی ڈبو رکھا ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پردہ کا خاص اہتمام تھا، سنن ابو داؤد میں ہے کہ ایک عورت نے پردہ کے پیچھے سے ایک پرچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، آپؐ نے اپنا ہاتھ روک لیا، اور فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ کس کا ہاتھ ہے، مرد کا یا عورت کا؟ وہ کہنے لگی یہ عورت کا ہاتھ ہے، آپؐ نے فرمایا اگر تو عورت ہوتی تو اپنے ناخنوں کو (مہندی سے) بدل لیتی (تاکہ مردوں کی مشابہت نہ رہتی)،

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ وہ عورت پردہ کے پیچھے تھی، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہاں پردہ کا خاص اہتمام تھا، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کو بیعت فرماتے تھے تو ہاتھ میں ہاتھ نہیں لیتے تھے، آپؐ نے صاف فرما دیا تھا کہ

اِنِّیْ لَا اُصَافِحُ النِّسَآءَ ، [1] | یعنی میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بیعت کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک نے کسی بھی عورت کا ہاتھ نہیں چھوا، عورتوں کو آپؐ کا بیعت فرمانا زبان سے ہوتا تھا، آپؐ فرما دیتے تھے قَدْ بَایَعْتُكِ (میں نے تجھے بیعت کر لیا)۔

(مشکوٰۃ المصابیح از بخاری و مسلم)

---

[1] جمع الفوائد، ۱۲

حَصَانٌ رَزَانٌ مَا تُزَنُّ بِرِيْبَةٍ ﴿۳۴﴾ وَتُصْبِحُ غَرْثَى مِنْ لُحُوْمِ الْغَوَافِلِ

ترجمہ:۔ "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پاک دامن ہیں باوقار ہیں، اُن کو کسی بات کی کوئی تہمت نہیں لگائی جا سکتی، اور وہ غافل عورتوں کے گوشت کی جانب بھوکی رہتی ہیں" (صحیح بخاری، ص ۵۹۷ ج ۲، باب حدیث الافک، ص ۶۹۹ ج ۲ تفسیر سورۃ النور)

شرح: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ۵ھ میں غزوہ بنی المصطلق کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، جس کو غزوۂ مریسیع بھی کہا جاتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب ازواج مطہرات میں سے کسی کو سفر میں ساتھ لے جانا ہوتا تو قرعہ ڈال لیتے تھے، جس کا نام نکلتا اُسی کو ساتھ لے جاتے تھے، اس موقع پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام نکل آیا، آپ اُن کو سفر میں ساتھ لے گئے غزوہ سے فارغ ہونے کے بعد جب واپس لوٹ رہے تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قافلہ سے ہٹ کر ذرا دور قضائے حاجت کے لئے گئیں، وہاں ہار گم ہو گیا، وہ اس کے ڈھونڈھنے کو دوبارہ وہیں گئیں، اور قافلہ روانہ ہو گیا، چونکہ ہلکی پھلکی تھیں، اس لئے ہودج کو اونٹ پر رکھ دیا گیا، اور اٹھانے والوں کو اس کا احساس نہ ہوا کہ وہ اس کے اندر نہیں ہیں، جب وہ ہار تلاش کر کے واپس آئیں تو دیکھا کہ قافلہ روانہ ہو چکا ہے، وہ اُسی جگہ یہ سمجھ کر لیٹ گئیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ہودج میں نہ پائیں گے، تو یہیں تلاش کرالیں گے، ایک صحابی کو جن کا نام صفوان بن معطل تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام پر مامور فرما رکھا تھا کہ قافلہ کے پیچھے چلا کریں، اور گری پڑی چیز اٹھا لیا کریں، وہ پیچھے سے آرہے تھے، انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ لیا، اور آپ کے پاس اونٹ لا کر بٹھا دیا، آپ اونٹ پر بیٹھ گئیں، اور وہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر چل دیئے، حتیٰ کہ دوپہر کے وقت قافلہ کو پالیا، منافقین نے اس کا ایک بتنگڑ بنا دیا، اور بہت سخت تہمت لگادی، جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت پریشانی ہوئی، اس تہمت کے اٹھانے والے اور چرچا کرنے والے منافقین تھے، اور منافقین کے سردار ابن ابی سلول نے اس فتنہ کو بہت بھڑکایا، منافقین کے ساتھ مخلص مسلمانوں میں سے بھی ایک عورت اور دو مرد ہو گئے تھے،

دو مردوں کے نام یہ ہیں: حضرت مسطح بن اثاثہ رضؓ اور حضرت حسان بن ثابت رضؓ، اور عورت جو اس میں شریک ہو گئی تھی وہ حضرت حمنہ بنتِ جحش تھیں،

ایک ماہ تک منافقین اس کا چرچا کرتے رہے، اور رو رو کر حضرت عائشہ رضؓ کا بُرا حال ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت پریشانی رہی، آپؐ نے تحقیق تفتیش بھی کی اور حضرات صحابہؓ سے مشورہ بھی کیا، اس طویل عرصہ میں اس بارے میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی، پھر اللہ جل شانہٗ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت میں سورۂ نور کی دس آیات نازل فرمائیں جو اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ، سے شروع ہیں، جب قرآن مجید میں حضرت عائشہ رضؓ کی برأت نازل ہوئی تو جن لوگوں نے اس تہمت میں حصہ لیا اُن کو حدِ قذف لگائی گئی، یعنی اسّی کوڑے لگائے گئے، چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اس جھوٹ اٹھائی ہوئی بات کے سلسلہ میں حضرت حسان رضؓ بھی شریک ہو گئے تھے، اس لئے اس کی تلافی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مدح میں قصیدہ پڑھا کرتے تھے،

صحیح بخاری و مسلم میں اس قصیدہ کا پہلا شعر ؎

حَصَانٌ رَزَانٌ مَا تُزَنُّ بِرِیْبَةٍ ٭ وَتُصْبِحُ غَرْثٰی مِنْ لُحُوْمِ الْغَوَافِلِ

نقل کیا ہے، اس قصیدہ کے دوسرے اشعار حضرت حسان رضؓ کے دیوان میں موجود ہیں، اور ان میں سے بعض جمع الفوائد میں بھی نقل کئے ہیں، ہم پورے اشعار مع ترجمہ نقل کرتے ہیں:۔

شعر (۱)
حَصَانٌ رَزَانٌ مَا تُزَنُّ بِرِیْبَةٍ
وَتُصْبِحُ غَرْثٰی مِنْ لُحُوْمِ الْغَوَافِلِ

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پاک دامن ہیں، باوقار ہیں، ان کو کسی بات کی کوئی تہمت نہیں لگائی جا سکتی، اور وہ غافل عورتوں کے گوشت (کھانے) کی جانب سے بھوکی رہتی ہیں (یعنی پیٹھ پیچھے کسی کی غیبت نہیں کرتیں، قرآن مجید میں کیونکہ مسلمان بھائی کی غیبت کرنے کو اس کا گوشت کھانے کے برابر بتایا ہے، اس لئے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا کہ وہ غافل عورتوں کے گوشت سے بھوکی رہتی ہیں) یہ

شعر ۲:
حَلِيلَةُ خَيْرِ النَّاسِ دِيناً وَّمَنْصِباً
نَبِيِّ الْهُدٰى وَالْمَكْرُمَاتِ الْفَوَاضِلِ

ترجمہ: "یہ ایسی ذات مقدس کی بیوی ہیں جو دین اور مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بہتر ہیں، آپ ہدایت والے نبی ہیں، اور آپ کی خصلتیں سب بزرگی والی ہیں جن کے کمالات بہت بڑھے ہوئے ہیں"

شعر ۳:
عَقِيلَةُ حَيٍّ مِّنْ لُؤَيِّ بْنِ غَالِبٍ
كِرَامِ الْمَسَاعِيْ مَجْدُهَا غَيْرُ زَائِلِ

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لوی ابن غالب کے قبیلہ کی عمدہ ترین خاتون ہیں، یہ ایسا قبیلہ ہے جس کی کوششیں بزرگی کی طلب میں خرچ ہوتی ہیں، اس قبیلہ کی بزرگی ختم ہونے والی نہیں ہے"

شعر ۴:
مُهَذَّبَةٌ قَدْ طَيَّبَ اللّٰهُ خِيمَهَا
وَطَهَّرَهَا مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَّبَاطِلِ

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایسی خاتون ہیں کہ اللہ نے اُن کی طبیعت کو خوب پاکیزہ بنایا ہے اور ہر برائی اور خرابی سے اُن کو پاک کر دیا ہے"

شعر ۵:
فَإِنْ كُنْتُ قَدْ قُلْتُ الَّذِيْ قَدْ زَعَمْتُمُ
فَلَا رَفَعَتْ سَوْطِيْ إِلَيَّ أَنَامِلِيْ

ترجمہ: "پس اگر میں نے اپنے پاس سے وہ کہا ہے جس کا تم لوگ میرے بارے میں خیال کرتے ہو تو خدا کرے میری انگلیاں میرے کوڑے کو نہ اُٹھائیں، (یعنی میرا ہاتھ شل ہو جائے)"

شعر ۶:
وَإِنَّ الَّذِيْ قَدْ قِيلَ لَيْسَ بِلَائِطٍ
بِهَا الدَّهْرَ بَلْ قَوْلُ امْرِئٍ بِيْ مَاحِلِ

ترجمہ: "اور بے شک جو کچھ اُن کے بارے میں کہا گیا ہے وہ اُن کی ذات سے بے تعلق ہے بلکہ وہ ایک چغلخور کی بات ہے جس کے کہنے میں میں آگیا"

شعر ۷: فَكَيْفَ وَوُدِّيْ مَا حَيِيْتُ وَنُصْرَتِيْ
لِآلِ نَبِيِّ اللّٰهِ زَيْنِ الْمَحَافِلِ

ترجمہ: "پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں خود سے وہ بات کہوں، جو میری طرف منسوب کی گئی، حالانکہ میں جب تک زندہ ہوں میری محبت اور نصرت اللہ کے نبیؐ کے گھر والوں کے لئے ہے جو آلِ نبیؐ جو محفلوں کی زینت ہیں"

شعر ۸: لَهٗ رُتَبٌ عَالٍ عَلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ
تَقَاصَرُ عَنْهُ سَوْرَةُ الْمُتَطَاوِلِ

ترجمہ: "آں حضرات کے مرتبے سب لوگوں سے بلند ہیں، جو شخص مقابلہ کرنا چاہے اس کی دوڑ دھوپ اُن کے مرتبہ تک قاصر رہ جائے گی"

شعر ۹: رَأَيْتُكِ وَلْيَغْفِرْ لَكِ اللّٰهُ حُرَّةً
مِنَ الْمُحْصَنَاتِ غَيْرَ ذَاتِ غَوَائِلِ

ترجمہ: "اے عائشہؓ! میں نے آپ کو دیکھا ہے ایک شریف عورت پاکدامن عورتوں میں سے ہیں، جن کی خصلتیں خراب نہیں ہیں، اور اللہ آپ کی مغفرت کرے"

صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنا یہ شعر حَصَانٌ رَزَانٌ الخ سنایا تو انھوں نے فرمایا لٰکِنَّكَ لَسْتَ كَذٰلِكَ (لیکن تم ایسے نہیں ہو) یعنی اگر دوسروں کی غیبت نہ کرنا اور تہمت لگانے سے باز رہنا اچھی بات ہے تو تم کو بھی ایسا ہی ہو جانا چاہئے، لیکن تم ایسے نہیں ہو،

یہ اشارہ تھا اُس واقعہ کی طرف جس میں حضرت حسانؓ نے منافقین کی باتوں سے متاثر ہو کر حصہ لے لیا تھا، حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تہمت لگانے کی کوڑوں کی سزا بھی مل گئی، اور پھر آخر میں نابینا بھی ہو گئے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ اس سے بڑھ کر اور کیا سزا ہوگی کہ اچھا خاصا آدمی نابینا ہو جائے،

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا آپ اُن کو اپنے پاس آنے دیتی ہیں؟ تو فرمایا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مشرکین کو جواب دیتے تھے، اور ہجو گوئی میں

مشرکین کا مقابلہ کرتے تھے (یعنی وہ مداحِ رسول ہیں، قابلِ احترام ہیں، اس لئے اُن کی رعایت ضروری ہے) انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں یہ کہا؛

فَإِنَّ أَبِي وَوَالِدَهُ وَعِرْضِي ✦ لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وِقَاءُ

یہ شعر اور اس کے ساتھ کے دوسرے اشعار مع ترجمہ و شرح آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں؛

فَإِنَّ أَبِي وَوَالِدَهُ وَعِرْضِي (۲۴) لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وِقَاءُ

ترجمہ: "بیشک میرا باپ اور دادا اور میری آبرو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو کے لئے تم سے آڑ ہیں، (یعنی آپ کی آبرو کے بچانے کے لئے میری آبرو اور سارا کنبہ قبیلہ قربان ہے) تم لوگ ان کی ہجو کروگے تو ہم دفاع کے لئے موجود ہیں"

(بخاری، ص ۵۹۴ ج ۲ باب حدیث الافک)

شرح حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہدِ نبوت میں شعرائے اسلام میں سے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں قصیدے کہتے رہتے تھے، اور دشمنوں نے جو جنگیں ہوتی تھیں اپنے اشعار میں اُن کا تذکرہ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شجاعت اور دلیری بیان کرتے تھے، جو مشرکین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں کوئی ایسا قصیدہ کہتے تھے جس میں آپ کے بارے میں نامناسب باتیں کہی گئی ہوں تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ اُن کا جواب دیتے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے لئے مسجد میں منبر بچھا دیتے تھے، جس پر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے فخریہ اشعار کہتے تھے، اور مشرکین کا جواب دیتے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ بے شک اللہ جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ حسان کی تائید فرماتا ہے، جب تک وہ اللہ کے رسول کی جانب سے دفاع کرتے ہیں (صحیح بخاری)

درحقیقت اس زمانہ میں یہ بھی بہت بڑا اسلامی کام تھا، کیونکہ مشرکین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے جا باتیں کہتے تھے اور اپنے قصیدے مشہور کرتے تھے، اس وقت ضروری تھا کہ شعر کا شعر سے مقابلہ کیا جائے، اور دشمن کی باتوں کا ڈٹ کر جواب دیا جائے، مشرکین اپنی ہجو کے اشعار سُنکر بہت متأثر ہوتے تھے

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ قریش یعنی مشرکین مکہ کی ہجو کرو، کیونکہ یہ اُن پر تیر لگنے سے زیادہ شدید ہے (مسلم)

جس طرح تلوار سے جہاد ہوتا ہے مال خرچ کرکے بھی ہوتا ہے اور زبان کے ذریعے بھی ہوتا ہے، سنن ابو داؤد میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ،	"یعنی مشرکین سے جہاد کرو اپنے مالوں اور جانوں اور زبانوں سے"

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کافروں کو اپنے اشعار کے ذریعہ خوب مُنہ توڑ جواب دیئے، اور اس دینی خدمت کو پوری طرح انجام دیا، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا هَجَاهُمْ حَسَّانُ فَشَفَى وَاشْتَفَى، "یعنی حسان نے مشرکین کی ہجو کی، اور مسلمانوں کو اس کے ذریعہ شفا دی اور خود بھی شفایاب ہوئے" (صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ مشرکین کو ایسے ایسے جواب دیئے کہ مسلمانوں کے دلوں میں یہ آرزو نہ رہی کہ کوئی خوب اچھا جواب دیتا، حضرت حسانؓ نے مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کر دیا اور دشمنوں کو شاعری میں بھی خوب نیچا دکھایا، چونکہ حضرت حسانؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر تھے، اسلام اور داعیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے دفاع کرتے تھے، اس لئے حضرت عائشہؓ کو یہ پسند نہ تھا کہ اُن کو بُرا کہا جائے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حسان وہ شخص ہیں جس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں یہ کہا ہے فَإِنَّ أَبِي وَوَالِدَهُ وَعِرْضِي الخ یہ شعر

یہ شعر مع ترجمہ اوپر لکھ دیا گیا ہے، جس قصیدہ کے یہ اشعار ہیں وہ ایک لمبا قصیدہ ہے جو دیوانِ حسانؓ کے بالکل شروع میں مذکور ہے، اور اس میں سے گیارہ اشعار صحیح مسلم میں بھی مروی ہیں، ہم صحیح مسلم والے اشعار مع ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں، لیکن اس سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس قصیدہ کے کہنے کا باعث کیا تھا،

بات یہ تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ابو سفیان بن حارث ابن عبدالمطلب نے آپؐ کی شانِ اقدس میں ہجو کا قصیدہ کہا تھا اس کے جواب میں حضرت حسانؓ

نے بطور دفاع یہ قصیدہ کہا تھا کہ ابوسفیان بن حارث فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئے تھے' بیان کیا جاتا ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد شرم کے مارے انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کبھی سر نہیں اٹھایا کیونکہ پچھلی ایذا رسانی کی وجہ سے سخت پشیمان اور شرمندہ تھے،

اب حضرت حسانؓ کے اشعار مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیں، جو صحیح مسلم میں مروی ہیں،

۱۔ هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَأَجَبْتُ عَنْهُ ٭ وَعِنْدَ اللّٰهِ فِي ذَاكَ الْجَزَاءُ

ترجمہ: "تونے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تنقیص بیان کی پس میں نے اس کا جواب دیا، اور (میرے لئے)... اللہ کے نزدیک اس میں بہت بڑی جزا ہے"

۲۔ هَجَوْتَ مُحَمَّدًا بَرًّا تَقِيًّا ٭ رَسُولَ اللّٰهِ شِيمَتُهُ الْوَفَاءُ

ترجمہ: "تونے محمدؐ کی شان اقدس میں نامناسب باتیں کہیں جو حسن سلوک والے ہیں، متقی ہیں، اللہ کے رسول ہیں، اُن کی خصوصی خصلت وفاداری ہے"

۳۔ فَإِنَّ أَبِي وَوَالِدَهُ وَعِرْضِي ٭ لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وِقَاءُ

ترجمہ: "بے شک میرا باپ اور میرے باپ کا باپ اور میری آبرو محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آبرو کے لئے تم سے آڑ ہے (یعنی آپ کی آبرو کی حفاظت کے لئے ہم سب قربان ہیں"

۴۔ ثَكِلْتُ بُنَيَّتِي إِنْ لَمْ تَرَوْهَا ٭ تُثِيرُ النَّقْعَ غَايَتُهَا كَدَاءُ

ترجمہ: "میں اپنی جان کو گم کروں اگر تمہارے گھوڑوں کو اس حال میں نہ دیکھو کہ وہ غبار اڑا رہے ہیں اور ان کے سفر کا منتہا کداء ہے (جو مکہ میں داخل ہوتے وقت ایک گھاٹی پڑتی ہے)"

۵۔ يُبَارِينَ الْأَعِنَّةَ مُصْعِدَاتٍ ٭ عَلَى أَكْتَافِهَا الْأَسَلُ الظِّمَاءُ

ترجمہ: "یہ گھوڑے جھگڑتے ہیں اپنی باگوں سے آگے بڑھتے ہوئے (کہ ہم کو آگے بڑھنے دو) اُن کے مونڈھوں پر نیزے ہیں جو (دشمن کے خون کے) پیاسے ہیں"

۶۔ تَظَلُّ جِيَادُنَا مُتَمَطِّرَاتٍ ✽ تُلَطِّمُهُنَّ بِالْخُمُرِ النِّسَاءُ

ترجمہ: "ہمارے عربی گھوڑے تیزی سے آگے بڑھتے ہیں، جن کو عورتیں دوپٹوں کے ساتھ تھپیڑے مارتی ہیں (یعنی ان گھوڑوں کی پرورش بڑے ناز کے ساتھ ہوتی ہیں، عورتیں اپنے دوپٹوں سے اُن کے چہرے چھوتی اور صاف کرتی ہیں)"

۷۔ فَإِنْ أَعْرَضْتُمُوا عَنَّا اعْتَمَرْنَا ✽ وَكَانَ الْفَتْحُ وَانْكَشَفَ الْغِطَاءُ

ترجمہ: "پس (اے مشرکو!) اگر تم ہم سے اعراض کرو تو ہم عمرہ کرلیں گے اور فتح ضرور حاصل ہوگی، اور پردہ ہٹ جائے گا، (یعنی اللہ جل شانہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدہ کیا ہے کہ مکہ فتح ہوگا یہ وعدہ ضرور پورا ہوگا، اور پیشین گوئی کا نتیجہ سب کے سامنے ظاہر ہوجائے گا)

۸۔ وَإِلَّا فَاصْبِرُوا لِجِلَادِ يَوْمٍ ✽ يُعِزُّ اللهُ فِيهِ مَنْ يَشَاءُ

ترجمہ: "اگر تم اعراض نہیں کرتے (یعنی عمرہ کے لئے راستہ نہیں دیتے) تو ایسے دن کی مار دھاڑ کا انتظار کرو جس میں اللہ جسکو چاہے گا عزت دے گا (یعنی اہل اسلام کی اس دن عزت ہوگی)"

۹۔ وَقَالَ اللهُ قَدْ أَرْسَلْتُ عَبْدًا ✽ يَقُولُ الْحَقَّ لَيْسَ بِهِ خَفَاءُ

ترجمہ: "اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے، میں نے بھیجا ہے ایک بندے کو رسولؐ بنا کر، وہ حق کہتا ہے جس کی بات میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے"

۱۰۔ وَقَالَ اللهُ قَدْ يَسَّرْتُ جُنْدًا ✽ هُمُ الْأَنْصَارُ عُرْضَتُهَا اللِّقَاءُ

ترجمہ: "اور اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ میں نے آسانی دیدی ہے ایک لشکر کو، یہ حضرات انصار ہیں (جو دشمن سے جنگ کرنا اور فتح پانا جانتے ہیں) اور جو دشمنوں سے مڈبھیڑ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں"

۱۱۔ يُلَاقِي كُلَّ يَوْمٍ مِنْ مَعَدٍّ ✽ سِبَابٌ أَوْ قِتَالٌ أَوْ هِجَاءُ

ترجمہ: "روزانہ بنی معد سے دل آزار باتیں کرنا یا اُن سے جنگ کرنا یا اُن کی ہجو کرنا ہمارا کام ہے (یہ چیزیں) بنی معد سے ملاقات کرتی ہیں، یعنی مکہ معظمہ کے مشرکین اسلام کے خلاف

گے ہوتے ہیں ہم اُن کے علاج میں مصروف رہتے اور کسی نہ کسی طرح اُن کی کاٹ کرتے رہتے ہیں)

۱۲۔ فَمَنْ يَّهْجُوْ رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْكُمْ ﴿﴾ وَيَمْدَحُهٗ وَيَنْصُرُهٗ سَوَاءٌ

ترجمہ: "پس جو شخص تم میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بُرائی بیان کرے یا تعریف کرے یا مدد کرے یہ سب برابر ہے، (کیونکہ تمہاری بدگوئی سے اُن کو کوئی نقصان نہیں اور تمہاری مدح سے اُن کو کوئی نفع نہیں اور تمہاری مدد کی اُن کو کوئی حاجت نہیں)

۱۳۔ وَجِبْرِيْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِيْنَا ﴿﴾ وَرُوْحُ الْقُدُسِ لَيْسَ لَهٗ كِفَاءٌ

ترجمہ: "اور جبریل علیہ السلام اللہ کی طرف سے پیغام لانے والے ہیں، جو ہمارے اندر موجود ہوتے ہیں، اور اُن کا لقب روح القدس ہے، اُن کی کوئی نظیر نہیں"

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک سو بیس سال عمر ہوئی، ساٹھ سال زمانہ جاہلیت میں اور ساٹھ سال زمانہ اسلام میں پائے، حاشیہ بخاری، ص ۵۹۴ ج ۲ میں شارح کرمانی سے نقل کیا ہے کہ حضرت حسانؓ کے والد کا نام ثابت اور دادا کا نام منذر اور پردادا کا نام حرام تھا، ان چاروں میں سے ہر ایک نے ایک سو بیس سال عمر پائی، واللہ اعلم

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَاغْفِرْ فِدَاءً لَّكَ مَا اَبْقَيْنَا ﴿۳۶﴾ وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَيْنَا
وَاَلْقِيَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا ﴿۳۷﴾ اِنَّا اِذَا صِيْحَ بِنَا اَبَيْنَا
﴿۳۸﴾ وَبِالصِّيَاحِ عَوَّلُوْا عَلَيْنَا

ترجمہ (۳۵) "اے اللہ اگر آپ ہدایت نہ دیتے تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے، نہ نماز پڑھتے"

(۳۶) "پس تو بخش دے جو کچھ گناہ ہم نے اب تک کئے ہیں ہم تیرے دین پر فدا ہیں، اور ہمارے قدم جما دینا، اگر (دشمنوں سے) ہماری مڈبھیڑ ہو جائے"

(۳۷) اُور تو ہم پر سکون اور اطمینان ڈال دے، بلاشبہ جب ہم کو (باطل کے لئے) پیچ کر بلایا جائے تو ہم انکار کرتے ہیں "
(۳۸) " اور (آپس میں) بلند آواز سے (ایک دوسرے کو بُلا کر) ہمارے خلاف انھوں نے مدد طلب کی ہے " (صحیح بخاری باب غزوۂ خیبر، ص ۶۰۳ ج ۲ و ص ۹۰۸ ج ۲ باب مایجوز من الشعر والرجز)

شرح یہ اشعار حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے ہیں، ۷ھ میں جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔
حضرت عامرؓ بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، حضرت عامرؓ شاعر آدمی تھے، اسلامی لشکر میں جو حضرات تھے، اُن میں سے کسی نے حضرت عامرؓ سے کہا کہ کچھ دل لگی کی چیزیں سناؤ، وہ اپنی سواری سے اُترے اور حُدیؔ[1] پڑھتے ہوئے چلنے لگے اور اوپر جو شعا لکھے ہیں اُن کو پڑھتے رہے،
(یہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دینی مزاج کی بات ہے، کہ وقت کاٹنے کے لئے اور سفر کی مسافت قطع کرنے کے لئے بھی ان کا شاعر ایسے اشعار پڑھ رہا تھا جو اللہ کے ذکر اور شکر پر مشتمل ہیں، اور جن میں بار بار شجاعت اور بہادری پر اُبھارا جا رہا تھا اور اللہ سے مدد کا سوال کیا جا رہا تھا)
یہ اشعار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سُن لئے، آپؐ نے فرمایا یہ کون شخص ہے جو (قافلہ کا) سائق ہے، (چونکہ یہ صاحب بطور حُدی اشعار پڑھ رہے تھے، اور قافلہ کو اشعار سنا سنا کر لے کر چل رہے تھے اس لئے ان کو سائق فرمایا)
حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یہ سائق عامر بن الاکوع ہیں، آپؐ نے فرمایا يَرْحَمُهُ اللهُ (اللہ کی اس پر رحمت ہو) اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت عامرؓ نے خود جواب دیا کہ میں عامر ہوں، اس پر آپؐ نے فرمایا غَفَرَ لَكَ رَبُّكَ (اللہ تجھے

---

[1] اہلِ عرب اونٹوں پر سواری کرتے ہوئے اشعار پڑھتے جاتے جس سے اونٹ کیف میں آجاتا تھا، اور خوب جوش اور تیزی سے چلتا تھا، اس کو حُدی کہتے تھے ۱۲

بخش دے) جب آپؐ نے یہ فرمایا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ (ان کے لئے جنت) واجب ہوگئی،
(کیونکہ آپ کا یرحمہ اللہ فرمانا اور مغفرت کی دعاء دینا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ عامر عنقریب ہی
شہید ہوں گے)۔
پھر عرض کیا کہ یا نبی اللہ، آپ نے ہم کو ان سے (مزید) فائدہ اٹھانے کا موقع کیوں نہ دیا!
(یعنی آپ نے ایسی دعاء فرمائی جس سے مستقبلِ قریب میں شہید ہونے کا پتہ چلتا ہے، یہ دعاء
ابھی نہ فرماتے یا اس کے بجائے درازیِ عمر کی دعاء فرمادیتے)
اس کے بعد لشکر چلتا رہا، اور آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ رات
کو خیبر پہنچے، آپ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کسی قوم کے علاقہ میں رات کو پہنچتے تھے تو صبح تک
وہاں کے باشندوں کے قریب نہیں جاتے تھے، صبح ہوجانے پر اذان کا انتظار فرماتے تھے، اگر
اذان کی آواز آجاتی تو رُک جاتے ورنہ حملہ کردیتے تھے، (لہٰذا آبادی سے دور قیام پذیر رہے)
جب صبح ہوگئی تو یہودی آبادی سے اپنے (کسب کے آلات) پھاوڑے اور ٹوکریاں لے کر
نکلے، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا تو بول اٹھے وَاللّٰهِ مُحَمَّدٌ وَّالْخَمِیْسُ
(کہ اللہ کی قسم، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ پہنچ گئے) آپؐ نے اس پر فرمایا:۔
اَللّٰهُ اَکْبَرُ خَرِبَتْ خَیْبَرُ اِنَّا اِذَا اَنْزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ
الْمُنْذَرِیْنَ۔ (اللہ سب سے بڑا ہے، بلاشبہ جب ہم کسی قوم کی سرزمین میں اُتر جائیں تو
اُن لوگوں کی صبح بہت بُری ہوگی جن کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرایا گیا (مگر وہ نہ ڈرے، اور
کفر پر جمے رہے)۔
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لشکر کے ساتھ دیکھ کر یہودی قلعوں میں پناہ گزین
ہوگئے، ان لوگوں نے متعدد قلعے بنا رکھے تھے، انہی میں رہتے تھے، جب یہ لوگ قلعوں میں
پناہ گزین ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے
اُن کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا، محاصرہ کے دوران حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بہت
تکلیف پہنچی، اور سخت بھوک سے دوچار ہوئے[1]،

---

[1] بخاری و مسلم، ۱۲،

ایک ایک کرکے قلعہ فتح ہوتا جاتا تھا، سب سے آخر میں یہودیوں نے اپنے قلعہ وطیح اور سلالم میں پناہ لی، یہ دونوں قلعے سب سے آخر میں فتح ہوئے، قلعوں کا محاصرہ دس بیندرہ دن رہا، (بذل المجہود از تاریخ الخمیس) اور آخری فتح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہوئی، جس رات کی صبح کو فتح ہونے والا تھا اُس رات میں آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں کل ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھوں اللہ فتح یابی نصیب فرمائیگا، یہ ایسا شخص ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں، رات بھر لوگ خیالات دوڑاتے رہے کہ دیکھو کس کو جھنڈا دیا جاتا ہے، صبح ہوئی تو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، اور ہر ایک کو یہ امید تھی کہ مجھے جھنڈا عطا ہوگا، آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علی ابن ابی طالب کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ اُن کی آنکھیں دُکھ رہی، فرمایا اُن کو بلاؤ، چنانچہ اُن کو لایا گیا، جب وہ حاضرِ خدمت ہوئے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا، اور اُسی وقت اُن کی آنکھیں اچھی ہوگئیں گویا کہ کوئی تکلیف ہی نہ تھی، اُن کو آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جھنڈا دیا اور فرمایا کہ جاؤ ان کو اسلام کی دعوت دو اور اللہ کے حقوق جو اُن پر واجب ہیں بتا دو، اللہ کی قسم تیرے ذریعہ اللہ تعالیٰ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دیدے تو یہ تیرے لئے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے[1]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھنڈا لے کر آگے بڑھے، یہودیوں کا سردار اکڑتے مکڑتے ہوئے اور تلوار کو اوپر نیچے کرتے ہوئے نکلا، اور اس نے دست بدست مقابلہ کے لئے چیلنج کیا، اور یہ رجز یہ کلمات کہے ؎

قَدْ عَلِمَتْ خَیْبَرُ اَنِّیْ مَرْحَبٌ ۔ شَاکِی السِّلَاحِ بَطَلٌ مُّجَرَّبٌ
اِذَا الْحُرُوْبُ اَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

---

[1] صحیح بخاری ۱۲ اہلِ عرب کو سُرخ اونٹ بہت پسند تھے، اگر مفت مل جائیں تو پھر کیا کہنا، اسی کے پیشِ نظر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کلمات فرمائے ۱۲

"تحقیق خیبر (والوں) کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں، ہتھیاروں کے ساتھ مکمل طریقہ پر مضبوط ہوں، آزمایا ہوا پہلوان ہوں، جس وقت کہ جنگیں شعلہ زن ہوتی گئیں"۔

اُس کا چیلنج سُنکر حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے اور یہ شعر پڑھا ؎

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي عَامِرٌ ٭ شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُغَامِرٌ

"تحقیق خیبر (والوں) کو معلوم ہے کہ میں عامر ہوں، ہتھیار لگائے ہوئے پوری طرح مضبوط ہوں، پہلوان ہوں سختیوں میں گھس جانے والا ہوں"۔

اس کے بعد دونوں جانب سے دو وار ہوئے، پھر حضرت عامرؓ کی تلوار مرحب کی ڈھال میں گڑ گئی، حضرت عامرؓ نے چاہا کہ نیچے جھک کر مرحب پر حملہ کریں، لیکن خود اُن کی اپنی تلوار اُن کو لگ گئی جس سے گھٹنے میں سخت چوٹ آئی، اور بعض روایات میں ہے کہ ہاتھ کی رگ میں زخم آ گیا، کسی روایت میں ہے کہ بہت زیادہ زخمی ہو گئے، جس کی وجہ سے اُن کی وفات ہو گئی،

پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرحب کا مقابلہ ہوا، مرحب نے وہی رجزیہ کلمات کہہ کر مقابلہ کی دعوت دی، اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ پڑھا ؎

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَهْ ٭ كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيهِ الْمَنْظَرَهْ
أُوفِيهِمُ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهْ

"میں وہی ہوں جس کی ماں نے حیدر[1] نام رکھا، جنگلوں کے شیر کی طرح ہوں، جس کے دیکھنے سے ڈر لگتا ہو، میں دشمنوں کو اُن کی خوراک (یعنی قتل) بھرپور پیمانے کے ذریعہ پیش کرتا ہوں"۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرحب کے سر پر وار کیا، اور اس کو قتل کر دیا، یہودیوں کا سردار قتل ہو گیا[2] یہودیوں کو شکست اور مسلمانوں کو فتح ہوئی، خیبر فتح ہوا،

---

[1] حیدر لغت میں شیر کو کہتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد نے ان کا نام علیؓ اور والدہ نے حیدر رکھا تھا، اس موقع پر حضرت علیؓ کا اپنے اس نام کو ظاہر کرنا اس لئے مناسب تھا کہ مرحب نے خواب دیکھا۔۔ کہ مجھے ایک شیر قتل کرے گا، مقصود یہ تھا کہ اس کو ڈرا دیں، اور یقین دلا دیں کہ تو ابھی مرنے والا ہے ۱۲ [2] صحیح مسلم و فتح الباری ۱۲

اور غنیمت میں بہت بڑی اراضی اور اموال کثیرہ ہاتھ آئے،

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح خیبر کے بعد جب واپس ہو گئے تو آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، اور مجھے غمگین حالت میں دیکھ کر فرمایا کہ تمھیں کیا ہوا (غم کی کیا بات ہے؟)، میں نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ عامر کے سب اعمال ضبط یعنی ختم ہو گئے (اُن کو کوئی ثواب ملے گا، کیونکہ وہ اپنی تلوار سے مقتول ہو گئے) آپؐ نے فرمایا وہ جھوٹا ہے، جس نے ایسا کہا ہو، بلاشبہ اُس کے لئے دو اجر ہیں، اور آپؐ نے دو انگلیاں ملا کر فرمایا کہ بلاشبہ وہ جاہد تھا اور مجاہد تھا (یعنی اللہ کی فرمانبرداری میں مشقت اٹھانے والا اور اُس کے دشمنوں سے جنگ کرنے والا تھا اور اسی حال میں اس کی موت واقع ہوئی ہے) ایسے عربی کم ہیں جو اس جیسے ہوں،

حضرت عامر بن الاکوعؓ کا تیسرا مصرع فَاغْفِرْ فِدَاءٌ لَّكَ مَا اَبْقَيْنَا ہے، اس میں شراح نے فِدَاءٌ لَّكَ پر بہت اشکال کیا ہے، کہ "تجھ پر فدا ہوں" یہ تو اس کے لئے بولا جاتا ہے جو فانی ہو جس کی جان جانے والی ہو، اللہ تعالیٰ حیّ وقیوم ہے، اس کے لئے یہ کیسے بولا گیا؟ پھر اس کے کئی جواب دیئے ہیں، اور بعض جوابات پر اشکال بھی کیا ہے، ہم نے جو ترجمہ کیا ہے اس سے سب اشکالات دُور ہو جاتے ہیں، "یعنی اے اللہ ہم تیرے دین پر فدا ہیں، اس کو مٹنے نہ دیں گے اپنی جان پر کھیل جائیں گے، مگر تیرے دین کو باقی رکھیں گے" اس میں صرف مضاف مقدر ماننا پڑتا ہے، تقدیر عبارت یوں ہوگی

---

[۱] صحیح بخاری ۱۲ [۲] حضرت عامر بن الاکوعؓ حضرت سلمہ بن الاکوعؓ کے بھائی تھے، اور بعض روایات میں ہے کہ چچا تھے، کما جاء مصرحاً فی صحیح مسلم، امام نوویؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ ممکن ہے نسبی رشتہ میں چچا ہوں اور رضاعی رشتہ سے بھائی ہوں، ۱۲

[۳] یہ ترجمہ "قل عربی مشابہا مثلہ" کا ہے، دوسری روایت یوں ہے "قل عربی مشی بہا مثلہ" اس کا ترجمہ یوں ہے کہ "ایسے عربی کم ہیں جو (اخلاق و اعمال میں) اس کی طرح چلے ہوں" ۱۲

فِدَاءً لَّكَ مَا اَبْقَيْنَا،

مَا اَبْقَيْنَا میں تین روایتیں اور ہیں، اول مَا لَقِيْنَا، دوسرے مَا اقْتَفَيْنَا، تیسرے مَا اتَّقَيْنَا، شارحین کرام نے سب کا مآل تقریباً ایک ہی بتایا ہے، جو ہم نے ترجمہ میں لکھ دیا ہے[1]،

اسی طرح اِنَّا اِذَا صِيْحَ بِنَا اَبَيْنَا میں دوسری روایت اَتَيْنَا بھی ہے، جس کا ترجمہ یوں ہے کہ "بیشک جب ہم کو جنگ کرنے کے لئے اور حق کی حمایت کے لئے چیخ کر بلایا جائے تو ہم آجاتے ہیں"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ امام احمدؒ کی روایت میں مذکورہ اشعار کے ساتھ کچھ زائد الفاظ بھی ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

اِنَّ الَّذِيْ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا ⁂ اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

وَنَحْنُ عَنْ فَضْلِكَ مَا اسْتَغْنَيْنَا

ترجمہ:۔ "بے شک اُن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے، یہ لوگ جب فتنہ کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے، اے اللہ ہم تیرے فضل سے مستغنی نہیں ہیں"

آخری مصراع صحیح مسلم میں بھی ہے،

حضرت عامر بن الاکوعؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیبر کو جاتے ہوئے رستہ میں جو اشعار پڑھتے تھے اُن کے بعض مصرعے نئے ہیں، اور اکثر وہ ہیں جو غزوۂ خندق کے بیان میں گذر چکے ہیں، وہاں عرض کیا گیا تھا کہ یہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار ہیں اور یہاں حضرت عامرؓ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں، اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں (باب غزوۂ خیبر) میں تحریر فرماتے ہیں کہ يَحْتَمِلُ اَنْ

---

[1] قولہ ما اقتفينا معناه ما تركنا من الاوامر وما ابقينا اى ما خلفنا وراءنا من الذنوب فلم نتب منه وما لقينا اى من وجدنا من المناهى وما اقتفينا اى تبعنا من الخطايا من قفوت الاثر اذا تبعته وهى اشهر الروايات فى هذا الرجز ۱۲ فتح البارى،

يَكُوْنَ هُوَ وَعَامِرٌ تَوَارَدَا عَلٰى مَا تَوَارَدَا مِنْهُ بِدَلِيْلِ مَا وَقَعَ لِكُلٍّ مِنْهُمَا مِمَّا لَيْسَ عِنْدَ الْآخَرِ أَوِ اسْتَعَانَ عَامِرٌ بِبَعْضِ مَا سَبَقَهُ إِلَيْهِ ابْنُ رَوَاحَةَ اھ ،

"یعنی ممکن ہے کہ دونوں کے ذہن میں بطور توارد مشترک اشعار آگئے ہوں، ایک نے دوسرے سے نہ لئے ہوں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ہر ایک کے اشعار میں کچھ ایسی زیادتی ہے جو دوسرے کے اشعار میں نہیں ہے، اور یہ بھی ممکن ہو کہ حضرت عامرؓ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بعض مصرعے لے کر اپنے اشعار میں شامل کرلئے ہوں"

قتل وقتال اور محاصرہ کے بعد جب یہود کو شکست ہوگئی تو وہ جلا وطن ہونے پر راضی ہوگئے، اُن کی یہ بات اس شرط پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تسلیم فرمائی کہ سونا چاندی اور ہتھیاروں کے علاوہ جو کچھ سواریوں پر لے جاسکتے ہوں لے جائیں، اور آپؐ نے یہ شرط بھی لگائی کہ (سونے چاندی میں سے) کچھ چھپائیں گے نہیں، اگر ایسی حرکت کی تو ہم پر کسی قسم کی کوئی ذمہ داری یا عہد کی پابندی نہیں ہوگی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنی نضیر کو مدینہ منورہ سے (خیبر کی طرف) جلاوطن کیا تھا اس وقت حیّی بن اخطب چمڑے کے ایک تھیلے میں یہودیوں کا سونا چاندی اور زیورات لے کر روانہ ہوگیا تھا، یہ مال یہودیوں کے پاس محفوظ تھا، اور حیّی غزوۂ خیبر سے پہلے مقتول ہوچکا تھا، آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سقیہ نامی یہودی سے دریافت کیا کہ وہ حیّی والا تھیلہ کہاں ہے؟ اس نے کہا اس کو تو لڑائیوں نے اور (طرح طرح کے) اخراجات نے ختم کردیا، اس کے بعد حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے یہ تھیلہ (ایک جگہ) پالیا) اور اس سے یہود کی بدعہدی ثابت ہوگئی، (کیونکہ یہ طے پایا تھا کہ کچھ پوشیدہ نہ کریں گے) لہٰذا آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابن ابی الحقیق کو قتل کردیا، اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا، اور ان لوگوں کو وہاں سے جلاوطن کرنے کا فیصلہ فرمالیا، اس پر وہ کہنے لگے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہم کو یہیں رہنے دیں، ہم زمین میں محنت کریں گے اور پیداوار نصف آپ کی اور نصف ہماری ہوگی، اور جب تک آپ کی رائے ہو ہم کو اس معاملہ پر برقرار رکھیں۔[1]

---

[1] سنن ابی داؤد باب ماجاء فی حکم خیبر ۱۲

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بات منظور فرمائی اور فرمایا نقرکم علیٰ ذٰلک ما شئنا، یعنی ہم تم کو مذکورہ معاملہ پر یہاں ٹھہرنے کا موقع دیتے ہیں، جب تک ہماری مرضی ہو، چنانچہ یہ لوگ وہاں ٹھہر گئے، زمین پر اُن کا مالکانہ تصرف نہ تھا، اور وہاں کی آمدنی حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی صواب دید سے خرچ فرماتے تھے، پھر حضرت ابوبکرؓ بھی اسی طرح انہی مصارف میں خرچ فرماتے رہے، جن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرچ فرماتے، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی طرح خرچ فرماتے تھے، بالآخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودیوں کو خیبر سے نکال دیا، اور یہ لوگ تیما، اور اریحا چلے گئے[1] (یہ دونوں جگہیں بلادِ طے کے قریب شام کی جانب ہیں)

خیبر میں جو یہودی آباد تھے ان میں قبیلہ بنو نضیر بھی تھا، جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینۂ منورہ سے جلاوطن کیا تھا، ان لوگوں نے خیبر میں قیام کرکے اسلام کے خلاف برابر سازشیں جاری رکھیں، غزوۂ خندق کا باعث بھی یہی لوگ بنے، انھوں نے قریش مکہ وغیرہ کو جاکر ورغلایا کہ تم لوگ مدینہ پر چڑھائی کردو، اور بنو قریظہ کو بھی نقضِ عہد اور غدر پر آمادہ کرکے جنگِ احزاب میں قریش مکہ کا ساتھی بنا دیا تھا، اور اُن لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرکے اپنی طرف سے مدد کرنے کا بھرپور یقین دلایا تھا، اور عجیب بات یہ ہے کہ جب مکہ کے مشرکوں نے اُن سے کہا کہ ہم لوگ پڑھے لکھے نہیں ہیں، دین اور مذہب کو تم زیادہ جانتے ہو، یہ تو بتاؤ کہ ہم لوگ جس دین پر ہیں (یعنی بت پرستی) یہ ہدایت والا دین ہے یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کی دعوت دے رہے ہیں یہ دین حق ہے، اس کے جواب میں یہود نے برملا کہا کہ تم صحیح راستہ پر ہو، حالانکہ اُن کو معلوم تھا کہ شرک بدترین چیز ہے، اور دل سے یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا	"کیا تو نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو

---

[1] صحیح بخاری ابواب الحرث والمزارعۃ ۱۲۔

مِنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا (سورۂ نساء: ۸)

کتاب کا ایک حصہ ملا ہے، پھر (باوجود اس کے) وہ بُت اور شیطان کو مانتے ہیں، اور وہ لوگ (یعنی اہلِ کتاب) کفار (یعنی مشرکین) کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ (یعنی مشرکین) بہ نسبت مسلمانوں کے زیادہ راہِ راست پر ہیں۔"

درحقیقت ہٹ بہت بُری چیز ہے، یہودی جانتے تھے اور آپس میں تذکرہ کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی آخر الزماں ہیں، لیکن مانتے نہیں تھے، دینِ سماوی کا علم ہونے کی وجہ سے یہود کو سب سے پہلے اسلام لانا چاہئے تھا، لیکن وہ اوّلین کافر ہوئے اور جانتے پہچانتے ہوئے حق کو چھپایا اور اسلام اور مسلمان کو مٹانے کی کوشش کرتے رہے جو آج تک جاری ہیں، اخزاہم اللہ تعالیٰ،

اَلْحَرْبُ اَوَّلُ مَا تَكُوْنُ فُتَيَّةٌ ﴿۳۹﴾ تَسْعٰى بِزِيْنَتِهَا لِكُلِّ جَهُوْلِ
حَتّٰى اِذَا اشْتَعَلَتْ وَشَبَّ ضِرَامُهَا ﴿۴۰﴾ وَلَّتْ عَجُوْزًا غَيْرَ ذَاتِ حَلِيْلِ
شَمْطَاءَ يُنْكَرُ لَوْنُهَا وَتَغَيَّرَتْ ﴿۴۱﴾ مَكْرُوْهَةً لِلشَّمِّ وَالتَّقْبِيْلِ

ترجمہ (۳۹) "جنگ شروع حالت میں جو ہوتی ہے جوان عورت کی طرح ہوتی ہے، جو اپنے سنگھار کے سبب[1] ہر نادان کو (اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے) کوشش کرتی ہے،

(۴۰) "یہاں تک کہ جب اس کے شعلے بلند ہوجاتے ہیں اور خوب بھڑک اٹھتی ہے تو بڑھیا بن کر منہ پھیر لیتی ہے، اس حال میں کہ کوئی اس کا شوہر نہیں ہوتا[2]،

---

[1] یہ ترجمہ بزینتہا کا ہے، دوسری روایت میں ببزتہا ہے، جس کے معنے یہ ہیں کہ اپنے عمدہ لباس کے ذریعہ ناداں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی سعی کرتی ہے ۱۲،

[2] یہ ترجمہ حلیل (بالحاء) کا ہے، دوسری روایت "غیر ذات خلیل" ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ "اس حال میں منہ پھیر لیتی ہے کہ اس کا کوئی دوست نہیں ہوتا"،

(۴۱) " (اور اس حال میں منہ پھیر لیتی ہے) کہ اس کے سیاہ بالوں میں سفید بالوں کی آمیزش ہو چکی ہوتی ہے[1]، اور اس کا رنگ ناپسند کیا جاتا ہے اور وہ اس حال میں بدل جاتی ہے کہ لوگوں کو اس کے سونگھنے اور چومنے سے گھن آتی ہے "۔

(بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۱ باب الفتنۃ التی تموج کموج البحر)

شرح بخاری شریف کے بعض نسخوں میں ہے کہ یہ اشعار عرب کے مشہور شاعر امرؤ القیس کندی کے ہیں لیکن حضرات شراح کرام نے فرمایا ہے کہ یہ اشعار عمرو بن معدیکرب زبیدی نے کہے تھے، علامہ سہیلی اور مشہور نحوی ابو العباس مبرد نے یقین کے ساتھ اسی کو بیان کیا ہے،

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حوشب سے نقل فرمایا ہے (جنھوں نے بعض صحابہؓ کو پایا اور اکابر تابعینؒ سے روایت بھی کی) کہ حضرات سلف (یعنی صحابہ کرام اور تابعین عظام) ان اشعار کو فتنہ سے بچنے کے لئے پڑھا کرتے تھے، اس زمانہ میں بعض فتنے ایسے اٹھتے تھے جو جنگ کی صورت اختیار کر لیتے تھے، اور بعض حضرات کو یہ فیصلہ مشکل ہو جاتا تھا کہ کس فریق کا ساتھ دیں، حق و ناحق بالکل واضح نہ ہونے کی وجہ سے وہ جنگ میں شریک ہونے سے گریز کرتے تھے، لیکن جوشیلے لوگ جنگ میں کود پڑتے تھے، کوئی اس فریق کے ساتھ ہو جاتا تھا اور کوئی دوسرے فریق کے ساتھ ہو جاتا تھا، محتاط حضرات ایسے موقع پر مذکورہ اشعار پڑھتے تھے جن میں جنگ کی تصویر کھینچی گئی ہے،

شاعر کہتا ہے کہ جنگ شروع شروع میں جوان عورت معلوم ہوتی ہے، اس کے چاہنے والے اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں، اور تن من کی بازی لگا دیتے ہیں، یہ اپنے حسن ظاہر سے ہر نادان کو جال میں پھانس لیتی ہے، پھر جب جنگ کے برے نتائج ظاہر ہوتے شروع ہوتے ہیں، اور جان و مال کی یہ بازی مہنگی پڑتی ہے، تو یہی جنگ بجائے جوان خوبصورت

---

[1] یہ ترجمہ "شمطاء ینکر لونہا" کا ہے، بعض نسخوں میں اسکی جگہ "شمطاء جزت رأسہا" ہے، اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا کہ اسکے سیاہ بالوں میں سفید بالوں کی آمیزش ہو چکی ہوتی ہے (اور اوپر سے) بال بھی کاٹ لیتی ہے ۱۲

مجوبہ کے گویا ایک ایسی بڑھیا بن جاتی ہے کہ اس سے دور رہنا پسند کرتے ہیں۔ اس کا کوئی شوہر یا آشنا نہیں ہوتا جو اسے چومے یا چاٹے۔ یہ جنگ ایسی بڑھیا بن جاتی ہے جس کے کالے بالوں میں سفید بال مخلوط ہو جائیں اور اوپر سے بال کٹوا کر منڈی بھی ہو جائے، اور اس کے منہ میں بھی بدبو آتی ہو جس کی وجہ سے اس کے سونگھنے اور چومنے سے گھن آتی ہو۔

ان اشعار کے پڑھنے سے مقصود یہ ہوتا تھا کہ خود اپنے نفس کو اور دیگر اصحاب و احباب کو فتنہ میں کودنے سے بچائیں۔ مقصد یہ نہیں ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ کرنے سے بچتے تھے کیونکہ وہ تو عین ثواب ہے، اس میں تو کسی طرح کے دینی نقصان کا خطرہ ہی نہیں، مرے تو شہید اور مارا تو غازی، ہاں جہاں مسلمانوں میں آپس میں جنگ ہو اور حق و ناحق واضح نہ ہو وہاں جنگ میں کودنے سے پرہیز کرتے تھے۔

خاتمہ

الحمدللہ ثم الحمدللہ! صحیح بخاری میں واردشدہ اشعار کا ترجمہ مع شرح ختم ہوگیا، اپنی دانست میں کوئی شعر نہیں چھوڑا گو ممکن ہے کوئی شعر رہ گیا ہو، بندہ کو اپنے جہل اور مطالعہ کی کمی کا اقرار ہے، اگر کسی صاحب کو صحیح بخاری میں کوئی ایسا شعر نظر آجائے جو حقیر کی فہرست میں آنے سے رہ گیا ہو تو مطلع فرمائیں، تاکہ آئندہ طباعت میں اُس کو بھی شامل کرلیا جائے،

آخر میں اتنی بات اور عرض کرنا ہے کہ جو اشعار اس مجموعہ میں گذرے ہیں ان میں سے اکثر تو وہ ہیں جو دوسرے حضرات نے کہے اور پڑھے، اور بعض اشعار ایسے بھی ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلے، یہاں پہنچ کر شراحِ حدیث یہ اشکال کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ ۔	"اور ہم نے شاعری کا علم نہیں دیا اور وہ آپؐ کے لئے شایاں بھی نہیں ۔"

جب قرآن میں یہ ارشاد ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے شعر کیسے نکلے! پھر شارحینِ کرام نے اس کے تین جواب دیئے ہیں:۔

اوّل یہ کہ جو اشعار آپؐ کی زبانِ مبارک سے نکلے وہ شعر نہیں ہیں، بلکہ رجز ہیں، لیکن اس جواب کو پسند نہیں کیا گیا،

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اشعار دوسرے اشخاص کے ہیں کسی دوسرے شخص کا شعر پڑھ لینا مضمون آیت کے خلاف نہیں ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ شاعر ہونا اور چیز ہے اور ایک دو شعر اتفاقیہ طور پر بلا ارادہ زبان سے نکل جانا دوسری بات ہے، اس سے کوئی آدمی شاعر نہیں بن جاتا، سب کو معلوم

ہے کہ قرآن مجید شعر نہیں ہے، پھر بھی اس میں جگہ جگہ عروضی اوزان کے مطابق آیات کے ٹکڑے موجود ہیں، جن میں کہیں پورا شعر اور کہیں نصف شعر بن جاتا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس کی بہت سی مثالیں ذکر کی ہیں، پس جس طرح قرآن مجید میں چند مواقع پر وزنِ عروضی کے مطابق کچھ الفاظ وکلمات موزون آگئے ہیں، اور پھر بھی قرآن شعر میں شامل نہیں ہے، اسی طرح اگر ایک دو شعر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فصاحت لسان سے ایک دو شعر نکل گئے خواہ وہ اور کسی شاعر کے نہ ہوں، تو اس سے آپ کی ذاتِ گرامی پر شاعری کا دھبہ نہیں لگتا، اور یہ سورۂ یٰسٓ کی مذکورہ آیات کے خلاف نہیں ہوتا، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب کو بہت پسند کیا ہے، اور درحقیقت یہ جواب ٹھیک بھی ہے،

مزید تشریح کے لئے عرض کرتا ہوں کہ شاعر ہونے کا مطلب صرف اتنا سا نہیں ہے کہ اوزان عروضی کے مطابق کسی شخص کی زبان سے اشعار نکلتے چلے جائیں، بلکہ شاعری جس چیز کا نام ہے، اس میں وزن کے مطابق شعر ہونے کے ساتھ ساتھ بعض دیگر امور بھی لازم ہوتے ہیں، جس میں سب سے بڑی چیز جھوٹ ہے، اسی کو تو فرمایا ہے کہ

اکذب او احسن اوست

اس جھوٹ کو شاعر کی نازک خیالی اور دنیائے تخیلات کہا جاتا ہے، جب تک شاعر آسمان زمین کے قلابے نہ ملائے اور بے تکی تشبیہیں استعمال نہ کرے اُس وقت تک اس کو شاعر ہی نہیں سمجھا جا سکتا، اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعری سے دُور رکھا گیا، اگر کوئی سچی بات زبانِ مبارک سے وزنِ عروضی پر نکل گئی، تو اس سے آپ کا شاعر ہونا لازم نہیں آتا، جو اشعار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھے حضرات نے اُن سب کے بارے میں غور کیا تو شروح حدیث میں یہ نکلا کہ یہ شعر فلاں کا ہے اور یہ شعر فلاں کا ہے، صرف ایک شعر ایسا ہے جس کے بارے میں یہ ماننا ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ آپ ہی کی زبانِ مبارک سے نکلا ہے، اور وہ ہے ؎

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ ٭ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

اگرچہ اس کے بارے میں بھی بعض حضرات نے لکھا ہے کہ یہ بھی کسی دوسرے کا ہے، اور
"آنت النبی" کہا ہے، آپ نے اس کو بدل کر "انا النبی" فرمادیا، لیکن یہ بات دل کو
نہیں لگتی، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو بعید سمجھا،

خلاصہ یہ کہ ایک دو شعر کا بلا اختیار زبانِ مبارک سے نکل جانا جس میں شاعری
کا رنگ بالکل نہ ہو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر نہیں کہا جا سکتا،

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ اِلَیْہِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ

وَھٰذَا اٰخِرُ مَا جَرٰی بِہِ الْقَلَمُ بِفَضْلِ بَارِئِ النَّسَمِ
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَکْرَمَ وَاَنْعَمَ، وَاَفْہَمَ
وَاَلْھَمَ وَعَلَّمَ، وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی سَیِّدِ
رُسُلِہٖ سَیِّدِ الْاُمَمِ
الْمَبْعُوْثِ بِجَوَامِعِ
الْکَلِمِ
وَمَنَابِعِ الْحِکَمِ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ
اُولِی الطَّرِیْقِ الْاَمَمِ وَعَلٰی مَنْ
تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمٍ تَبْدُوْا
فِیْہِ النِّعَمُ وَتَظْھَرُ النِّقَمُ ؕ

تَمَّتْ بِالْخَیْرِ

سید دلشاد حسین تحریر ہذا

book no : 88

اظہارِ مسرت

یہ معلوم ہوکر بہت مسرت ہوئی کہ حضرت اقدس سراج العلماء مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کے فتاویٰ کا جو مجموعہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی جانب سے فتاویٰ خلیلیہ کے نام سے شائع ہوا تھا، وہ اب مکرم بندہ عالی جناب مولانا الحاج بھائی محمد یحییٰ صاحب کراچی ثم مدنی بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے جدید کتب خانہ "مکتبۃ الشیخ" سے شائع کر رہے ہیں، اللہ جل شانہ بہت مبارک فرمائے، قبولیت اور مقبولیت عطا فرمائے، اہل علم اور ارباب فقہ و فتاویٰ کے لیے مفید و نافع بنائے۔

محمد شاہد عفی عنہ

۵ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ

ترتیب وتبویب

مفتی مولانا سید محمد خالد صاحب سہارنپوری